

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين (القرآن)

ائمہ اربعہ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت

اجتہاد کی فرضیت، فقہ اسلامی کی اہمیت، تقلید ائمہ کی ضرورت
اور ان کے خلاف کی جانے والی سازشوں کی مذمت

علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
اور دیگر علماء ندوہ کی تحریرات کی روشنی میں

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگاہ ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

- نام کتاب: ائمہ اربعہ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت
- افادات: فخر ندوہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ
- : مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
- انتخاب و ترتیب: محمد زید مظاہری ندوی
- سن اشاعت: ۱۴۳۶ھ
- صفحات: ۱۶۰
- قیمت: ۱۲۰ روپے

ویب سائٹ.....WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

- ☆ دیوبند و سہارنپور کے تمام کتب خانے
- ☆ افادات اشرفیہ دو بگا ہر دوئی روڈ لکھنؤ
- ☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندہ، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱
- ☆ مکتبہ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ
- ☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست کتاب

صفحہ	عنوانات
۱۲	مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حنفی ندوی دامت برکاتہم
۱۴	تقریظ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمائی مدظلہ
۱۷	تقریظ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب استاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۹	عرض مرتب
	باب
۲۲	فقہ کی حقیقت اور تدوین فقہ کی ضرورت
۲۳	تفقہ فی الدین کی تعریف
۲۴	”من یرد اللہ بہ خیراً یفقهہ فی الدین“ کی تشریح
۲۴	کتاب وسنت، اجماع و قیاس سے ماخوذ احکام احکام شرعیہ ہیں
۲۵	اجتہاد و استنباط اور فقہ کو مرتب کرنے کی ضرورت
۲۶	اصول شرع کی خصوصیت اور فقہاء مجتہدین کا بڑا کارنامہ
۲۷	اسلامی معاشرہ کی بقا و سلامتی کے لئے تدوین فقہ کی شدید ضرورت تھی
۲۹	تدوین فقہ ائمہ مجتہدین کی بروقت و بر محل قابل قدر خدمت
۲۹	ائمہ مجتہدین تدوین فقہ کی خدمت انجام نہ دیتے تو امت ناقابل تلافی خسارے میں مبتلا ہو جاتی
۳۰	تدوین فقہ کا بڑا فائدہ
۳۱	ائمہ اربعہ کی خصوصیت اور ان کے مدوّن کردہ فقہ کی اہمیت
۳۳	ائمہ اربعہ کے شاگردوں اور جانشینوں کا کارنامہ



- ۳۴ دور اول کے اہل حدیث کا ائمہ مجتہدین اور مرجعہ فقہی مذاہب سے ربط و اعتماد
- ۳۵ ائمہ اربعہ ہی کی تقلید میں انحصار کیوں ہے؟
- ۳۶ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مسالک کیوں قابل اعتماد نہیں؟
- ۳۷ حق دائر ہے ائمہ اربعہ کے درمیان
- ۳۸ ائمہ اربعہ کی تقلید سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا بشارت آمیز فرمان
- ۳۹ منکرین فقہ اور فقہاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر شاہ صاحبؒ کی تنقید
- ۳۹ فقہاء مجتہدین کے مدون کردہ فقہی سرمایہ کی قدر و منزلت
- ۴۰ فقہی ذخیرہ کی وسعت اور قدر و قیمت
- ۴۲ جدید مسائل کا استنباط اسلامی فقہ کے اصول و کلیات سے ممکن ہے
- ۴۳ فقہائے مجتہدین کے فقہی سرمایہ سے استغناء بے نیازی مضر اور محرومی کا سبب ہے

باب ۲

امام ابو حنیفہؒ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت

- ۴۴ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ کی نظر میں
- ۴۵ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا فقہ و اجتہاد میں بلند مقام
- ۴۵ ایسے فقیہ و مجتہد کہ ملتوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی
- ۴۵ مذہب حنفی ایک بہترین طریقہ ہے جو احادیث کے موافق ہے
- ۴۶ فقہ حنفی کی دوسرے مذاہب پر فوقیت
- ۴۷ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ کا مسلک
- ۴۷ شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ کے مسلک کا خلاصہ
- ۴۸ اس ملک کے لئے سب سے بہتر منہج



۴۸	حنفی مسلک کی عمومیت و مقبولیت
۴۹	فقہ حنفی کی چند خصوصیات
۵۰	ہندوستان میں فقہ حنفی کی سیادت اور اس کا رواج
۵۱	فقہ حنفی کی خدمت میں علماء کجرات کا تفوق اور امتیاز
۵۲	فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف
۵۳	فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب عالمگیر اور علمائے ہند کا بڑا کارنامہ
۵۴	دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فقہ حنفی کی قابل قدر علمی خدمت

فصل

(فتاویٰ عالمگیری، اہمیت اور امتیازات و خصوصیات)

۵۵	مضمون حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
۵۵	سبب تالیف
۵۷	فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات
۵۷	مرتبین فتاویٰ عالمگیری
۵۹	فتاویٰ عالمگیری کے مآخذ و مراجع
۶۴	ترتیب و اسلوب
۶۵	فتاویٰ عالمگیری کے چند فقہی امتیازات
۶۶	فتاویٰ عالمگیری مشاہیر علماء کی نظر میں
۶۸	فتاویٰ عالمگیری ہر مسلمان کی ضرورت
۶۹	فتاویٰ عالمگیری ہندوستان کا قابل فخر کارنامہ
۷۰	فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
۷۱	فتاویٰ عالمگیری کی چند اہم خصوصیات



- ۷۲ فتاویٰ عالمگیری کی تیرہ خصوصیات
- ۷۷ فتاویٰ عالمگیری کی اہمیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کی نظر میں

فصل متفرقات

- ۷۹ فقہ و فتویٰ کے میدان میں تحقیقی کام کرنے کی ضرورت
- ۸۰ بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فقہ سے خصوصی دلچسپی
- ۸۰ فقہ کی تدوین جدید اور نئے مسائل میں تحقیق کی ضرورت
- ۸۲ ہر زمانہ میں علماء و فقہاء کا وجود ضروری ہے
- ۸۳ فتویٰ کی حقیقت اور فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت
- ۸۳ ندوۃ العلماء کے نزدیک دارالافتاء و دارالقضاء کی اہمیت
- ۸۴ قاضی و مفتی اور دارالافتاء و دارالقضاء کی ضرورت
- ۸۵ ندوۃ العلماء کیسے واعظین و مقررین اور مصلحین و مبلغین پسند کرتا ہے

باب ۳

اجتہاد کا بیان

- ۸۶ اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں ایک مسلمہ حقیقت
- ۸۶ تاریخ کے بعض ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کا خاص سبب
- ۸۷ جدید مسائل میں اجتہاد کرنا ہر زمانہ میں فرض کفایہ ہے
- ۸۸ اجتہادی سلسلہ کو باقی رکھنے کی ضرورت، ردالمحتار اور فتاویٰ تار تار خانہ کا نمونہ
- ۸۹ ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت اور علوم شرعیہ کے ماہرین کی ذمہ داری
- ۹۰ اجتہاد کیسے کیا جائے؟
- ۹۰ اجتماعی اجتہاد



- ۹۱ خدا کے واسطے ایسے اجتہاد کا دروازہ نہ کھولنے!
- ۹۱ اجتہاد کے نام پر فتنے کا دروازہ نہ کھولنے
- ۹۲ اجتہاد کے نام سے ایسی اندھی تقلید کی راہ ہموار نہ کیجئے
- ۹۳ اجتہاد، قضا و افتاء بلند ترین منصب اور نازک ترین عمل اور اس کے چند شرائط
- ۹۴ جدید مسائل میں اجتہاد کے اہل
- ۹۵ ہندوپاک کے چند فقہائے مجتہدین
- ۹۵ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ
- ۹۶ شارح ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ
- ۹۶ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
- ۹۷ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ
- ۹۷ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ
- ۹۸ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندیؒ
- ۹۸ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم
- ۹۸ لکل فن رجال
- ۹۹ جدید مسائل کو حل کرنے کیلئے ایسے متبحر علماء و فقہاء کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے
- ۱۰۰ اظہار مسرت کے ساتھ اہل علم اور اہل تحقیق سے چند شکایتیں
- ۱۰۱ اہل علم و اہل تحقیق کو چند اہم نصیحتیں
- ۱۰۱ تقویٰ و تدبیر کی ضرورت
- ۱۰۲ ہماری بحث و تحقیق نقد و اعتراض اور تمسخر و استہزاء سے خالی ہو
- ۱۰۲ غور و فکر اور بحث مباحثہ میں صبر و حلم سے کام لیں
- ۱۰۲ اپنی رائے اور تحقیق کے اظہار میں عجلت و اصرار نہ کریں

- ۱۰۳ ایسی تحقیقات کے اظہار سے پرہیز کریں جو موجب انتشار و فتنہ ہوں
- ۱۰۳ ان علماء محققین کی تصانیف سے خاص طور سے فائدہ اٹھائیے
- ۱۰۴ اعلیٰ السنن، امداد الفتاویٰ، جواہر الفقہ وغیرہ کتب فقہ و فتاویٰ کی اہمیت

باب ۴ تقلید کا بیان

گمراہی سے بچنے کے لئے مجتہدین کی طرف رجوع اور ان کی تقلید ایک تسلیم

- ۱۰۶ شدہ حقیقت ہے
- ۱۰۶ روشن اور تابناک ناقابل انکار حقیقت
- ۱۰۶ احکام شرعیہ میں کاملین سے رجوع اور ان کی تقلید خیر القرون میں
- ۱۰۷ تقلید شخصی عدل و انصاف کی میزان اور تاریخ کی روشنی میں
- ۱۰۸ تقلید شخصی کی ابتداء اور اس کے اسباب
- ۱۰۹ تقلید شخصی کی حیثیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں
- ۱۱۰ تقلید شخصی کی افادیت
- ۱۱۰ تقلید شخصی کا محرک و مرجع اور اس کی واقعی ضرورت
- ۱۱۱ تقلید شخصی فطری امر ہے، ابن تیمیہ کا فرمان
- ۱۱۱ تقلید شخصی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا منصفانہ کلام
- ۱۱۱ تقلید شخصی کرنے میں لوگوں کی مجبوری اور معذوری ہے
- ۱۱۲ کسی مجتہد کی تقلید قابل اعتراض نہیں
- ۱۱۲ تقلید کی اجازت نہ دینا تکلیف مالا یطاق اور بد اہت کا انکار ہے
- ۱۱۲ عام لوگوں کے لئے تقلید ائمہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں
- ۱۱۳ کسی متعین امام کی تقلید میں بھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبع ہیں
- ۱۱۴ تقلید شخصی کی ضرورت آج کے دور میں اور زیادہ ہو گئی

۱۱۴ مذہب معین کی تقلید سے آزادی کا نقصان

باب ۵

خطرناک مہم اور افسوس ناک سازش

۱۱۵ مذاہب اربعہ اور تقلید ائمہ کے خلاف افسوسناک سازش اور خطرناک مہم

۱۱۵ کبار علماء کی تشویش اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا حکیمانہ طرز عمل اور اقدام

۱۱۶ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید میں کوئی مضائقہ نہیں

۱۱۶ ادارۃ الحجۃ العلمیہ والافتاء (سعودیہ) کا فتویٰ

۱۱۷ ائمہ اربعہ کی تقلید کے خلاف مہم چلا کر انتشار نہ پیدا کیا جائے

۱۱۷ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی متفقہ تجویز اور قرارداد

۱۱۸ سعودی عرب کے نامور علماء کے مکتوب گرامی کے چند اقتباسات

۱۱۸ ائمہ مجتہدین کی تقلید کی ضرورت اس دور میں اور زیادہ بڑھ گئی

۱۱۸ عرب علماء کا افسوس اور اظہار رنج و غم

..... مذاہب فقہیہ کے خلاف کوئی تحریک یا جماعت نہ قائم کی جائے اور نہ ان کو

۱۱۹ ہدف ملامت بنایا جائے

..... احناف کے خلاف جدوجہد کرنے کے بجائے امت میں اصلاح عقائد

۱۲۰ و اعمال کی کوشش کیجئے

۱۲۰ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا دردمندانہ خطاب

باب ۶

۱۲۲ فقہ کی اہمیت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مضمون

۱۲۲ فقہ اسلامی کی تدوین نو کی ضرورت کا احساس



۱۲۳	فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلہ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشورہ اور کام کا آغاز
۱۲۴	جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء مجتہدین کی ضرورت
۱۲۵	فقہیات اور جدید تحقیقات میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے حسن ظن و اعتماد
۱۲۷	حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بڑا کارنامہ
۱۲۸	احکام القرآن کی تصنیف، دلائل القرآن علی مسائل النعمان
۱۳۰	”إعلاء السنن“ کی ضرورت اور اس کی اہمیت
۱۳۲	حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا سلسلہ ترجیح الراجح
۱۳۲	علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اپنی بعض تحقیقات سے رجوع
۱۳۳	معراج اور فناء نار کے مسئلہ میں رجوع
۱۳۴	تصویر کے مسئلہ میں رجوع
۱۳۴	زیوروں کی زکوٰۃ کے مسئلہ میں رجوع

فصل

۱۳۶	حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی دامت برکاتہم کا مضمون
۱۳۶	امام ابو حنیفہؒ کی قدر و منزلت اور موجودہ غیر مقلدین ایک نظر میں
۱۳۷	امام اعظمؒ کے حق میں امام مالکؒ کی گواہی
۱۳۷	امام اوزاعیؒ کی حضرت عبداللہ بن مبارک کو نصیحت
۱۳۸	دولت عباسیہ میں حنفی چیف جسٹس کا تقرر
۱۳۸	مذہب اربعہ کے مآخذ اور امام اعظمؒ کا مرتبہ
۱۳۸	دیگر فقہاء کے نقطہ ہائے نظر



- ۱۳۹ امام مالک کے یہاں فقہاء کا مقام اور اہمیت
- ۱۴۰ ائمہ اربعہ کے تلامذہ
- ۱۴۰ آج کل کے غیر مقلدین سلفی ایک نظر میں
- ۱۴۱ حنفی کہنے کا مطلب
- ۱۴۲ ائمہ اربعہ کی توہین کرنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے
- ضمیمہ**
- ۱۴۳ تقلید سے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مضمون
- ۱۴۳ عہد صحابہ میں تقلید شخصی
- ۱۴۶ تقلید شخصی جب پہلے واجب نہیں تھی اب کس مصلحت سے واجب اور ضروری ہو گئی؟
- ۱۴۷ تقلید شخصی سے آزادی کا نتیجہ اور اس کا نقصان
- ۱۴۹ نہایت افسوس ناک بات
- ۱۴۹ دین کو نقصان پہنچانے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا
- فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے باطل طاقتوں، مشرکانہ رسموں سے مقابلہ
- ۱۵۱ میں اپنی صلاحیت اور توانائی صرف کیجئے
- ۱۵۳ ذرا اس پہلو سے غور کیجئے اور سوچئے!
- ۱۵۵ ہماری توانائیوں اور صلاحیتوں کا غلط استعمال
- ۱۵۷ علماء کرام سے دردمندانہ گزارش۔ راہ عمل
- ۱۵۸ مآخذ و مراجع



مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
خاتم النبيين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه الغر الميامين، ومن
تبعهم باحسان الى يوم الدين، وودع ابدعوتهم اجمعين، اما بعد:

اسلامی شریعت انسان کی نیک سیرت و خیر پسند زندگی کا نہایت جامع اور
متوازن قانون ہے اور یہ اس کرۂ ارض کی تاریخ میں اللہ رب العالمین کے نبیوں اور
رسولوں کے ذریعہ انسان کو بتایا جاتا رہا ہے اور یہ مختلف زبانوں اور قوموں کو ان کے مقام
اور وقت کے حالات کے لحاظ کے مطابق دیا جاتا رہا ہے، لیکن اللہ رب العزت کے
آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے علاقائی تعلق سے اوپر اٹھ کر عالمی
دائرے میں اور اس دنیا کے اختتام تک کے لئے اس کو پیش آنے والی ضرورت کے لحاظ
سے دیا گیا ہے، اس قانون شریعت اسلامی کی ہدایات ایسی ہدایات ہیں کہ ان میں
انسان کو اس کرۂ ارض پر عزت و نیک سیرت اور امن و سلامتی کی رعایت والی زندگی
گزارنے کا پورا لحاظ ہے، یہ ہدایات خود رب العالمین کے کلام کے ذریعہ اور بطور مزید
اس کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے انسانوں کو دی گئی ہیں۔

یہ ہدایات عربی زبان میں ہیں، عربی زبان سے واقف حضرات اس میں انسانی

زندگی کے تقاضوں کے مطابق ان سے معلومات حاصل کرتے ہیں اس کے لئے عربی سے اچھی واقفیت اور قانونی عبارت کو صحیح طور پر سمجھنے سے ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے، ان کو باریکی کے ساتھ سمجھنا سمجھانا فقہ کہلاتا ہے، چنانچہ قرآن وحدیث کو پڑھنے پڑھانے والے اس فقہ کا کام ہر دور میں کرتے رہے ہیں، اور ہر دور میں زندگی کی ضرورتوں کے مطابق ان کو واضح کرتے رہے ہیں، ان کو سمجھنے والوں کی طرف سے وضاحت میں فرق بھی ہوا ہے، لیکن یہ فرق قوانین کے بنیادی حصہ میں نہیں ہے، صرف ان پر عمل کرنے کے انداز میں ہے، اس کی بناء پر فقہ کے کئی مسلک بن گئے ہیں، وہ سب صحیح اور حق ہیں، ان میں بنیادی لحاظ کا کوئی فرق نہیں ہے، ان مسلکوں میں حنفی مسلک زیادہ باریکی اور وسیع دائرہ رکھتا ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی جو عرصہ سے علمی و تحقیقی کام کی تحریر و اشاعت کا کام انجام دے رہے ہیں، انہوں نے فقہ کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے بعض اہم علماء کی آراء جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دے دی ہے، اس میں ندوۃ العلماء کے مایہ ناز عالم علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی آراء جمع کی ہیں، زیادہ تر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی آراء پیش کی ہیں وہ علامہ سید سلیمان ندوی کے طریقہ کے بھی مطابق ہیں، امید ہے کہ ندوۃ العلماء کا جو کہ دینی علوم کے ساتھ دنیا کے ضروری علم کو ملانے کا نقطہ نظر رکھتا ہے، فقہ کے سلسلہ میں انداز و طریقہ اس کتاب سے واضح ہوگا، امید ہے یہ کوشش پسند کی جائے گی۔

(حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی)

ندوۃ العلماء لکھنؤ

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی

صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلامی علوم میں فقہ اسلامی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، یہ کتاب اللہ اور سنت رسول کا عطر ہے، جس میں نہ صرف عملی احکام؛ بلکہ عقیدہ و ایمان اور اخلاق و تصوف کے بھی بہت سے مسائل آجاتے ہیں، اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اس علم کے پروان چڑھانے، اس کے گیسو سنوارنے اور اس کے چشم و ابرو کو آراستہ کرنے میں صرف ہوئی ہیں، فقہ اس دعویٰ کا عملی ثبوت اور واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات میں ہمیشہ ہمیش کے لئے انسانیت کی رہنمائی کا سامان موجود ہے؛ اس لئے آپ ﷺ کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت ہے اور نہ آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کے بعد کسی نئی کتاب کی۔

فقہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود شریعت محمدی کی؛ چنانچہ عہد نبوی ہی سے اجتہاد و استنباط کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، فقہ کے مدون اول امام ابو حنیفہ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب و سنت کی ہدایات، صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ اور سلف صالحین کے استنباطات، نیز اپنے اجتہادات کو اس طرح مدون و مرتب فرمادیا کہ وہ ایک مکمل نظام حیات کی شکل میں امت کے سامنے موجود ہے اور زندگی کے کسی بھی مسئلے میں غور کرنے کے لئے اس کو شریعت کے دائرہ سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، بعد کو مختلف مجتہدین نے ان ہی خطوط پر اپنے اجتہادات کو مرتب کیا اور مختلف دبستان فقہ وجود میں آئے۔

اسی لئے ہر دور کے بالغ نظر، زمانہ شناس اور فکرارجمند کے حامل علماء نے فقہ اسلامی کی اہمیت کو نہ صرف محسوس کیا ہے؛ بلکہ معاصر اہل علم کو اس کی طرف توجہ کرنے کی دعوت بھی دی ہے، ایسی ہی اہم شخصیتوں میں ندوۃ العلماء کے دو قابل افتخار فرزند علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شامل ہیں، یہ دونوں ہی فکرولی اللہی کے ترجمان تھے، ان دونوں پر علامہ ابن تیمیہ کی تحریروں کا گہرا اثر تھا اور یہ دونوں وسیع المشرقی اور فراخ چشتی میں ایک مثال کا درجہ رکھتے تھے، ان بزرگوں نے فقہ کی اہمیت و ضرورت، ائمہ اربعہ کے اجتہادات و کارناموں کی اہمیت، اجتہاد و تقلید کی ضرورت اور مسلمانان ہند کی نسبت سے فقہ حنفی کی خصوصیات و امتیازات پر جو کچھ لکھا ہے، یہ افادات مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے، محی فی اللہ جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے ان کو جمع کر دیا ہے۔

مؤلف زید مجاہدہ کو اللہ تعالیٰ نے علم و تحقیق کا ذوق اور تصنیف و تالیف کا سلیقہ عطا فرمایا ہے، وہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور سلیقہ مند مؤلف بھی، خود ان کی اپنی تحریریں بھی بہت خوب ہوتی ہیں اور اس میں علم و تحقیق کے جواہر پارے جمع ہوتے ہیں؛ لیکن یہ ان کی قربانی ہے کہ انہوں نے تصنیف سے زیادہ تالیف پر اور خود اپنی بات لکھنے سے زیادہ بزرگوں کی تحریروں کی جمع و ترتیب پر توجہ دی، انہوں نے حضرت تھانویؒ کے بکھرے ہوئے افادات کو جس خوبصورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ جمع کیا ہے، ہر صاحب علم اس کی داد دے گا، اس کی وجہ سے اُن علمی گہر پاروں تک رسائی آسان ہوگئی ہے، جو کتابوں کے سمندر میں یہاں وہاں چھپے ہوئے تھے، ان کی مثال اس چینی کی ہے جو جگہ جگہ سے شکر جمع کرتی ہے، یا شہد کی اُس نفع بخش مکھی کی ہے جو مختلف پھلوں اور پھولوں سے رس کشید کر کے اُن کو شہد کا پیکر عطا کرتی ہے، امید ہے کہ مؤلف کی دوسری کوششوں کی طرح اس کتاب کو بھی پذیرائی حاصل ہوگی، اور قارئین تقلید کی



ضرورت و اہمیت، ائمہ اربعہ کے کارناموں کی عظمت اور پھر تقلید میں اعتدال و میانہ روی جیسے اہم موضوعات کو ایسے اہل علم کے قلم سے پڑھ سکیں گے، جن کا فکری اعتدال تمام اصحاب نظر کے نزدیک مسلم ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی عمر، صحت اور علمی خدمات میں خوب برکت عطا فرمائے اور قلم کا یہ مسافر نہ کبھی تھکے اور نہ کبھی اس کا سفر شوق تمام ہو۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۲۷ دسمبر ۲۰۱۳ء

تقریظ

حضرت مولانا عتیق احمد صاحب استاد فقہ ندوۃ العلماء لکھنؤ
وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا و صدر معهد الشریعہ لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زبان و قلم کے ذریعہ دین کی خدمت کا سلسلہ اس امت میں برابر جاری ہے، ہر دور میں اللہ کے بندے اس دور کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق زبان و قلم سے دین کی خدمت میں مصروف رہے اور اب بھی یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔

فقہاء امت نے قرآن و سنت، اجماع و قیاس کے ذریعہ نئے مسائل کا حل پیش کیا اور اجتہاد و استنباط کر کے نئے حالات و مسائل میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی قبولیت سے نوازا، ان کے فقہی مسالک کو عامۃ المسلمین میں قبولیت اور رواج حاصل ہوا، امت نے ان کے اجتہادات پر پورا اعتماد کیا۔

اجتہاد ایک فریضہ ہے تو تقلید امت کی ایک ناگزیر ضرورت، جن لوگوں میں اجتہاد کی صلاحیت نہیں ہے (امت کی غالب اکثریت کا یہی حال ہے، ہزاروں میں ایک دو اشخاص اجتہادی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں) انہیں دین پر چلنے اور عمل کرنے کے لئے تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، دور حاضر میں اجتہاد و تقلید کے موضوع پر بہت سے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں اور اس موضوع کو لے کر برصغیر میں کافی انتشار و اختلاف پایا جاتا ہے۔

ہندوستان کے محقق اور با بصیرت علماء نے اجتہاد و تقلید کے سلسلہ میں راہ

اعتدال کی نشاندہی کی ہے، ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ”الاقتصاد فی التقليد والاجتہاد“ قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ادھر چند سالوں سے یہ موضوع پھر گرم ہو گیا ہے اور غیر متوازن کتابیں اور مضامین شائع ہونے لگے ہیں، حالات کا تقاضا محسوس کر کے جناب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی زید مجدہم استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بزرگوں خصوصاً حضرت تھانویؒ کے علمی افادات کو سلیقے سے مرتب کرنے کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے) نے تقلید واجتہاد کے موضوع پر چند اکابر (علامہ سید سلیمان ندوی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی نہایت قیمتی اور فکر انگیز تحریروں کو مرتب کر کے علمی دسترخوان سجایا ہے۔

زیر نظر کتاب ”اسلام میں فقہ کی اہمیت و ضرورت“ انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ مفتی محمد زید صاحب کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی قبولیت حاصل کرے گی اور راہ اعتدال کی نشاندہی کرنے میں کامیاب ہوگی۔

عتیق احمد

استاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وسکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا و صدر معہد الشریعہ لکھنؤ

عرض مرتب

بسم الله الرحمن الرحيم

مسلم شریف میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین نام ہے خیر خواہی اور ادائے حقوق کا، حضرت تمیم داریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر خواہی کس کے لئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: للہ و لکتابہ و لرسولہ و لائمة المسلمین و عامتهم۔ (مسلم شریف کتاب الایمان حدیث ۱۹۴) یعنی دین نام ہے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے ساتھ خیر خواہی اور حقوق ادا کرنے کا اور دین نام ہے عامۃ المسلمین و ائمتہ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی اور ادائے حقوق کا۔

امام بخاریؒ نے تو اپنی کتاب بخاری شریف میں باب ہی یہی منعقد کیا ہے: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحة للہ و لرسولہ و لائمة المسلمین۔ (بخاری شریف باب ۴۲ حدیث ۵۷)

اس کی شرح میں شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں:

ومن جملة ائمة المسلمین ائمة الاجتهاد وتقع النصیحة لهم ببث علومهم ونشر مناقبهم وتحسين الظن بهم۔

(فتح الباری شرح بخاری ص ۱۸۴ ج ۱، فتح الملہم شرح مسلم ص ۱۵ ج ۲)

یعنی ائمتہ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی میں ائمہ مجتہدین بھی شامل ہیں، اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ ان کے مدون کردہ علوم کو پھیلایا جائے، ان کے فضائل و مناقب کو عام کیا جائے، ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ ان پر ہونے والے اعتراضات کا دفاع بھی کیا جائے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً ہر زمانہ میں علماء محققین نے ائمہ اربعہ کے فضائل و مناقب بیان کئے اور ان کے مدون کردہ فقہ کی حفاظت کی، اور اس کو عام کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی اور ان پر ہونے والے اعتراضات کا بھرپور دفاع بھی کیا، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے تو اس موضوع پر ایک رسالہ ”رفع الملام عن الائمة الاعلام“ تحریر فرمایا جس میں ائمہ مجتہدین کے مدون کردہ فقہ کی اہمیت کو بیان کیا اور ساتھ ہی ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے اور ان کی شخصیت پر کئے جانے والے حملوں کا پور دفاع بھی کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۸۶۲ و ۳۰۵ ج ۲۰)

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فیوض الحرمین، عقد الجید فی الاجتهاد والتقليد، الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف وغیرہ میں اس موضوع پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، جس میں ائمہ مجتہدین کی اہمیت اور ان کی تقلید کی ضرورت کو بیان کیا ہے۔ اسی خیر خواہی اور نیک جذبہ سے احقر نے بھی اس مجموعہ میں اجتہاد و تقلید اور ائمہ مجتہدین سے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر علماء ندوہ کے مضامین جمع کئے ہیں جو ان کے مختلف مقالات و تصانیف سے ماخوذ ہیں، صرف انتخاب و ترتیب اور عنوانات کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے، مجموعہ کے اخیر میں بطور ضمیمہ کے اتحاد و اتفاق اور تقلید شخصی کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا مضمون بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے اور امت کی اصلاح و ہدایت اور اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ



ائمہ اربعہ کی اہمیت

اور

فقه حنفی کی خصوصیت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين
محمد وعلى آله واصحابه اجمعين

باب

فقہ کی حقیقت اور تدوین فقہ کی ضرورت ☆

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

اللہ رب العالمین نے انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کو پیدا فرمانے کے بعد ان کے صرف جسم کی پرورش کا انتظام کیا، لیکن انسان، اشرف المخلوقات کے لئے اس کی جسمانی بقا کا سامان مہیا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لئے روحانی و ملکوتی غذا کا بھی نظم کیا، کیوں کہ بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انسان بہیمیت اور ملکوتیت، دونوں کا مجموعہ ہے، چونکہ غذاء روحانی کا مسئلہ بڑی حد تک انسانی عقل کی دسترس سے باہر تھا اس لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ برابر رہنمائی کی جاتی رہی۔

آخر میں نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرما کر انسانیت کے لئے ایک جامع و مکمل نظام حیات عطا کیا، جس سے جسمانی و روحانی ضرورتیں پوری ہو سکیں، اسی مکمل نظام حیات کا نام اسلام (یا شریعت اسلامی) ہے۔ بعد میں اس کا جاننا ”فقہ“ (اور جاننے والے کو ”فقیہ“) کہا جانے لگا، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ☆ اس پورے مضمون کے اقتباسات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مقالات و خطبات، تصانیف اور کاروان زندگی (جلد ۷) نیز تاریخ دعوت و عزیمت سے ماخوذ ہیں، ترتیب اور عنوانات کا اضافہ مرتب کی طرف سے ہے۔ بعض موقعوں میں دوسرے علماء کی عبارتیں ذکر کی گئی ہیں وہاں پر ان کے نام کی تصریح حوالہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

”المستصفیٰ“ میں بتایا ہے:

”الفقه عبارة عن العلم والفقه... لكن صار بعرف

الفقهاء عبارة عن العلم بالاحكام الشريعة لافعال

المكلفين“۔^۱

(فقہ کے لغوی معنی ”علم“ اور ”سمجھ“ کے ہیں۔۔۔ لیکن بعد میں ”مکلف“ (عادل بالغ) انسانوں سے متعلق اللہ کی طرف سے دیئے گئے احکام شریعت جاننے کا نام ”فقہ“ ہو گیا)۔^۲

تفقه فی الدین کی تعریف

”تفقه“ بہت جامع لفظ ہے، اس میں احکام و مسائل، ان کی حکمتیں، مواقع استعمال، ان کے تطبیق کے مواقع، خطاب کے طریقے، سب اس کے اندر آ جاتے ہیں، ”تفقه“ کا لفظ ایسا اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے کہ اس سے جامع لفظ ہو ہی نہیں سکتا کہ ”دین کی سمجھ حاصل کریں“ عربی زبان میں ”سمجھنے“ کے لئے بیسوں لفظ ہو سکتے ہیں، فہم، معرفت، تعقل، لیکن ”تفقه“ کا لفظ خاص معنی رکھتا ہے۔

اس کے معنی ہیں ”دین میں گہری سمجھ حاصل کرنا“ اور ”دین کے ذخیرہ پر عمیقانہ نظر رکھنا“ زمانہ کی ضرورت کو سمجھنا اور بدلتے ہوئے زمانہ اور دائمی دین کے درمیان رشتہ پیدا کر سکرنا۔

”لَيَسْتَفْقَهُوْا فِی الدِّیْنِ“ دین کی سمجھ حاصل کریں، دین میں گہری اور وسیع سمجھ (تفقه) یعنی وہ ”دین کے احکام و مسائل“ کا علم حاصل کریں۔^۳

^۱ المستصفیٰ ص ۴۱ ج ۱، مطبع امیر یہ بولاق ۲ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۱

^۳ قرآنی افادات ص ۲۵۹

”من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین“ کی تشریح

لِنُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (سورہ توبہ پ ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا مکلف کیا ہے، جس کی ترغیب دی، اس آیت میں اس کے مقصد بیان کئے ہیں، ایک خود علم حاصل کریں، سمجھ حاصل کریں۔ علم یہ نوشت و خواند کا علم نہیں، اس کو علم و تفقہ نہیں کہا جاتا، من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین میں:

”دین کے مسائل و احکام اور ان کی علتیں، ان کے مواقع استعمال، ان کی تفہیم و تخصیص کے مواقع سب اس کے اندر آ جاتے ہیں“ ۱۔

کتاب و سنت، اجماع و قیاس سے ماخوذ احکام احکام شرعیہ ہیں

”احکام شریعت“ کا مطلب یہ بتایا گیا ہے:

مالا یدرک لولا خطاب الشارع، سواء كان الخطاب بنفس

الحکم او بنظیرہ المقیس ہو علیہ ۲ (تلوٹ مع التوضیح ص ۱۱)

حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کتاب و سنت کے ذریعہ جو احکام انسان کے لئے دیئے گئے اور پھر ان کی روشنی میں جو اجماع و قیاس سے اخذ کئے گئے وہ سب ہی ”احکام شریعت“ ہیں، جن کا دائرہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے، اور ان کا حاصل یا خلاصہ امام شاطبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

اتفقت الأمة... على أن الشريعة وضعت للمحافظة على

الضروریات الخمسة وهی الدین والنفس والنسل والمال والعقل ۳

۱۔ قرآنی افادات ص ۲۶۰، تعمیر حیات ۱۰ جون ۱۹۸۶ء ۲۔ الموافقات للشاطبی ج ۱ ص ۳۸



(پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت کا اصل موضوع ان پانچ چیزوں کی حفاظت ہے: (۱) دین (۲) جان (۳) نسل (۴) مال (۵) عقل۔

شریعت کا مقصد ایک عالی مرتبہ فقیہ (ابن عابدین علامہ شامیؒ) کے الفاظ میں ”سعادة الدارين“ ہے یعنی صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ دونوں جہان میں انسان کو کامرانیوں سے ہمکنار کرنا ہے۔^۱

اجتہاد و استنباط کے ذریعہ فقہ کو مرتب کرنے کی ضرورت

اس وقت (یعنی اسلام کی ابتدائی صدیوں میں) دو مسئلوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ حدیث و سنت کے سرمایہ کو محفوظ و مدون کر لیا جائے، جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا،^۲ یہ نئے مسائل کے استنباط کا بہت بڑا ذریعہ اور فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا ماخذ تھا۔

دوسری ضرورت فقہ کی تدوین اور استنباط و اجتہاد کی تھی، قرآن و حدیث میں اگرچہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اصول و کلیات موجود ہیں اور ان سے باہر کہیں جانے کی ضرورت نہیں، مگر زندگی متغیر ہے اور انسان کے حالات و ضروریات غیر محدود و بے حد متنوع، ان اصول و کلیات کو زندگی کے ان تغیرات و تنوعات پر حاوی بنانے کے لئے اور ہر نئی حالت اور نئی ضرورت کے لئے ان کی ترجمانی و تشریح کے لئے اجتہاد و استنباط کی ضرورت تھی۔ لہذا فقہ کی تدوین، مسائل کا استنباط و استخراج، جزئیات و فتاویٰ کی ترتیب، اسلام کی ایسی عملی ضرورت تھی، جس کو بالکل موخر نہیں کیا جاسکتا تھا۔^۳

۱۔ رد المحتار ص ۲۷ ج ۱۔ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۲۔ حدیث کے جمع و تدوین کا کام عہد تابعین سے شروع ہو چکا تھا، دوسری ہی صدی میں حدیث کے مختلف مجموعے تیار ہو چکے تھے۔

۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۷۴، ۸۰ ج ۱

اصول شرع کی خصوصیت اور فقہائے مجتہدین کا بڑا کارنامہ

شریعت کے اصولوں میں ایسی گہرائی و گیرائی اور پک ہے کہ ان کی روشنی میں ہر زمانہ حتیٰ کہ آج کے ترقی پذیر دور میں بھی پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اور یہ صرف خوش کن دعوے نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ماہرین شریعت (فقہاء) نے اس کا عمل مظاہرہ کیا ہے، جس پر تاریخ شاہد ہے، دور اول (خلافت راشدہ، خلافت امویہ، خلافت عباسیہ کی ابتداء) میں جب اسلامی حکومتوں کا سایہ جزیرۃ العرب سے نکل کر افریقہ، ایشیا، بلکہ یورپ تک پھیل گیا تھا، اور طرح طرح کے تمدنی، معاشرتی، معاملاتی اور نئے نئے مسائل کا سامنا ہوا تو اس محترم گروہ (فقہاء) نے ان کا حل ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر پیش کیا جس سے حکومتوں اور عوام کو کسی اور کا دست نگر ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دور میں ائمہ اربعہ اور ان کے ممتاز ترین تلامذہ کے کارہائے نمایاں پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہی مذکورہ دعوے کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

یہ اجتہاد فقہ کی تدوین اور شرعی احکام کا استنباط اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے وقت پر ظہور میں آیا اس میں نہ کچھ پہلے ہوا اور نہ بعد میں، اس فقہ کا یہ نمونہ مطابعت الاشیاء اور امور کائنات کی نہج کے عین مطابق ہے کیونکہ اس دین کی عالمگیریت اسی امر کی متقاضی ہے۔

یہ ویسا ہی طبعی اور منطقی تقاضا تھا جیسا کہ علم الصرف، نحو، عربی زبان کے قواعد، بلاغت اور بیان کے علوم کی نشوونما کا حال ہے، ان میں سے ہر ایک کی بنیاد سابقہ عربوں کے کلام، عربی زبان میں نازل شدہ قرآن حکیم اور شعر عرب پر استوار ہے، جب کہ عرب اور عجم کے اختلاط اور اسلام پر عمل کرنے والوں کے لئے تمام عربی علوم کی تدوین کی نسبت فقہ کی تدوین زیادہ ضروری تھی، کیونکہ فقہ ہر مسلمان کی زندگی

۱۔ مقدمہ مجموعہ قوانین اسلامی مسلم پرسنل لاء ص: ۱۷

کا احاطہ کرتی ہے عبادت اور عقیدہ سے اس کا مضبوط رشتہ ہے، اخروی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے ثواب و عذاب، سعادت اور بدبختی نیز بخشش اور ہلاکت پر فقہ کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی بقا کیلئے تدوین فقہ کی شدید ضرورت تھی

اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ عبادات کے احکام و مسائل بیان کئے جائیں تاکہ سہو و نسیان اور انسانی بھول چوک اور شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے جو باتیں پیش آتی ہیں ان کو حل کیا جائے، جو لوگ نئے نئے اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں ان کے مسائل کا حل، نماز میں بھول چوک، رکعات میں کمی زیادتی، روزہ دار کے احکام و مسائل، زکوٰۃ کب اور کن چیزوں پر کتنی مقدار میں فرض ہے، اسی طرح جیسی عبادت جس کی ادائیگی میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے اور ایک بڑے رقبہ میں حاجی کو شعائر حج ادا کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور قدم قدم پر سنت اور اسوۂ نبوی کا لحاظ اس کو رکھنا پڑتا ہے، ان تمام امور میں فوری احکام اور بروقت فیصلہ کی ضرورت تھی، کسی ادنیٰ تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی اس بات کی ضرورت کہ ہر کس و ناکس کو قرآن و سنت سے براہ راست رجوع کر کے مسائل اخذ کرنے کا مشورہ دیا جائے، اس لئے یہ ضروری تھا کہ احکام و جزئیات کا وجود ہو اور فقہی ذخیرہ آسانی کے ساتھ ہر ایک کو میسر آ سکے، ایسے سرآمد روزگار علماء اور ماہرین شریعت کی موجودگی بھی ضروری تھی جو عوام کی رہنمائی کے لئے ہر وقت مستعد ہوں۔

اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام، ان کی جزئیات اور فقہی معلومات باسانی میسر ہوں اور ایسے علمائے کرام بھی موجود ہوں، جو شرعی علوم میں مہارت

۱۔ اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۵۲ ۲۔ اجتماعی اجتہاد ص ۱۱

رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں، اسلامی معاشرے کی سلامتی اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرح عبادات میں تحریف و تصرف نہ کرے، اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں ماہوار یا سالانہ تقریبات میں شریک ہونے والوں میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا حالانکہ وہ سب ایک ہی مذہب کے پیرو اور ایک ہی عمل میں مشغول ہوتے ہیں، وہاں طمانیت قلب یا صبغة اللہ جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس کے برعکس مسلمانوں کی مسجدیں حج اور دینی مراکز وحدت اسلامی کے رشتہ میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں یگانگت اور اتحاد ہے، عقیدہ اور عبادت کی وحدت نمایاں ہے اور وہ ایک ہی شریعت کے پیرو ہیں، اس وحدت کا سہرا دینی ہدایات کے صحت اور ان کی یگانگت کے سر ہے، پھر محدثین اور فقہاء بھی لائق تحسین ہیں جو اس امت کے قانونی خزانے کی حفاظت کرتے رہے اور اس کا تعلق اپنے حقیقی سرچشمہ اور متحدہ دینی نظام سے جوڑے رکھا۔

اسی بنا پر اسلام دیگر مذاہب کی طرح تاریخی یادگاروں کا ایسا میوزیم بننے سے محفوظ ہو گیا جہاں ہر طرح کی عبادات اور طرح طرح کی حرکات و سکنات پائی جاتی ہیں، اس کا مشاہدہ ہمیں ان مذاہب کے ماہانہ یا سالانہ تہواروں میں اچھی طرح ہو جاتا ہے جن کے ماننے والوں میں عملی وحدت اور یکجہتی کا فقدان ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں روحانیت اخلاقی و دینی رنگ پایا جاتا ہے، اس کے برعکس مسلمانوں کی مساجد، حج کے مقامات اور شعائر کی ادائیگی، سب میں یکسانیت، نظم و وحدت، ہم آہنگی اور باہمی ربط و اتحاد پایا جاتا ہے، ان میں عقیدے اور عبادات کی وحدت ہوتی ہے کہ ایک ہی شریعت کے آگے سب سرنگوں ہوتے ہیں، اس کے دو بنیادی اسباب ہیں:

۱۔ اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۵۱

ایک تو یہ کہ دینی تعلیمات میں حیرت انگیز وحدت اور اصالت ہے، دوسرے محدثین اور فقہاء کا کمال اور ان کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی جدوجہد سے اسلامی شریعت کے ذخیرہ کو نہ صرف محفوظ اور باقی رکھا بلکہ قرآن و سنت اور یکساں دینی نظام سے اس کو مربوط کر دیا۔

تدوین فقہ ائمہ مجتہدین کی بروقت و بر محل قابل قدر خدمت

اسلامی فقہ کی تدوین و ترتیب اور شرعی احکام و مسائل کے استنباط میں جس اجتہادی بصیرت کا ثبوت دیا گیا ہے وہ انتہائی بروقت مناسب اور بر محل تھا، اور فطری و منطقی تقاضوں اور اس انسانی، عالمی اور ابدی دین کی خصوصیات کے عین مطابق..... جس طرح صرف نحو، عربی زبان و بیان کے قواعد کی بنیاد قرآن مجید، عربی اشعار اور اولین عرب کے کلام پر رکھی گئی اور ان کا تدریجی ارتقاء ہوا، اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ فقہ کی تدوین انتہائی ضروری تھی کہ عرب و عجم پر یہ دین حاوی تھا، اور اس کے دائرے میں داخل ہونے والا ہر مسلمان اس کا مکلف ہے، اس لئے بھی کہ فقہ کا تعلق مسلمان کی پوری زندگی سے ہوتا ہے اور عقیدہ و عبادت سے اس کا غیر معمولی ربط و تعلق اور اخروی عذاب و ثواب، نجات و ہلاکت اور سعادت و شقاوت کا دار و مدار ان فقہی احکامات پر ہی ہے۔

ائمہ مجتہدین تدوین فقہ کی خدمت انجام نہ دیتے تو

امت نا قابل تلافی خسارے میں مبتلا ہو جاتی

اگر خدا نخواستہ علمائے متقدمین فقہی اجتہاد و احکام اور مسائل کے استنباط و استخراج میں کسلمندی اور سستی اور ڈھیل سے کام لیتے اور جدوجہد کی زندگی کے بجائے

۱۔ اجتماعی اجتہاد ص ۱۲، ۲۔ اجتماعی اجتہاد ص ۱۳

راحت و آرام کو اختیار کرتے یا ان کے علمی کارنامے اہمیت کے حامل نہ ہوتے اور ان کے فطری ملکہ اور صلاحیت میں جمود و تعطل پیدا ہو جاتا تو اس وقت کی حکومت عملی زندگی اور وقت کے مطالبات و تقاضوں سے مجبور ہو کر رومی اور ایرانی قوانین کو اسلامی دنیا پر منطبق کر دیتی، اس لئے کہ نئے حالات و مسائل سے مسلمانوں کا سابقہ تھا، تجارت و زراعت، جزیہ و خراج، محکومین اور مفتوحہ ممالک کے نئے مسائل درپیش تھے، قدیم عادات و رواج کا بہت بڑا ذخیرہ اور نئی نئی ضروریات تھیں جو مسلمانوں کی قوت فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں، ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جاسکتا تھا اور نہ سرسری طور پر ان سے گزرا جاسکتا تھا، حکومت مفصل و مکمل آئین و قانون سلطنت کی طالب تھی، حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جاسکتا تھا، اگر قانون اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی یا ایرانی قانون اختیار کرنے پر مجبور تھیں، جس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اس وقت کی نام نہاد اسلامی سلطنتوں کا ہوا ہے، علماء کی ذرا سی غفلت اور محافظین سنت کی دماغی کاہلی اور راحت پسندی اس امت کو ہزاروں برس کے لئے اسلامی معاشرت اور اس کے اجتماعی قوانین کی برکت سے محروم کر دیتی۔

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ را ہم دور شد!

تدوین فقہ کا بڑا فائدہ

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ان ائمہ فن اور صاحب اجتہاد علماء کا پیدا ہو جانا اس دین کی زندگی، اور اس امت کی کارکردگی کی صلاحیت کی دلیل تھی، ان کی کوششوں اور ذہانتوں سے اس امت کی علمی و معاملاتی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہو گئی اور اس ذہنی انتشار اور معاشرتی بے نظمی اور ابتری سے محفوظ رہ گئی جس کی قوتیں اپنے ابتدائی

۱۔ اجتماعی اجتہاد ص ۱۰

عہد میں شکار ہو چکی ہیں، انہوں نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کر دیں اور ایسے اصول مرتب کر دیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات کے حل کرنے میں مدد ملی جاسکتی ہے اور عام معتدل زندگی کو باقاعدہ اور شرعی رہنمائی کے ساتھ گزارا جاسکتا ہے۔

ائمہ اربعہ کی خصوصیت اور ان کے مدوّن کردہ فقہ کی اہمیت

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل تھا اور اس امت کی اقبال مندی کہ اس کارِ عظیم (اجتہاد) کے لئے ایسے لوگ میدان میں آئے، جو اپنی ذہانت، دیانت، اخلاق اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں:

امام ابو حنیفہؒ (م: ۱۵۰ھ)

امام مالکؒ (م: ۱۷۹ھ)

امام شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ)

امام احمد بن حنبلؒ (م: ۲۴۱ھ)۔

جو فقہ کے چار دبستان فکر کے امام ہیں، اور جن کی فقہ اس وقت تک عالم اسلام میں زندہ اور مقبول ہے، اپنے تعلق باللہ، للہیت، قانونی فہم، علمی انسہاک اور جذبہ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری زندگی اور اپنی ساری قابلیتیں اس بلند مقصد اور اس اہم خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں، انہوں نے دنیا کے کسی جاہ و اعزاز اور کسی لذت و راحت سے سروکار نہیں رکھا تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کو دوبار عہدہ قضاء پیش کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا، یہاں تک کہ قید خانہ میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۸۲ ج ۱، تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۲۵

امام مالکؒ نے ایک مسئلہ کے اظہار میں کوڑے کھائے اور ان کے شانے اتر گئے۔

امام شافعیؒ نے زندگی کا بڑا حصہ عسرت میں گزارا اور اپنی صحت قربان کر دی۔
امام احمد بن حنبلؒ نے تنہا حکومتِ وقت کے رجحان اور اس کے ”سرکاری مسلک“ کا مقابلہ کیا اور اپنے مسلک اور اہل سنت کے طریقہ پر پہاڑ کی طرح جھجے رہے۔
ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا، جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کر سکتے۔

امام ابوحنیفہؒ نے تراسی (۸۳) ہزار مسائل اپنی زبان سے بیان کئے، جن میں سے اڑتیس (۳۸) ہزار عبادات سے تعلق رکھتے ہیں اور پینتالیس ہزار معاملات سے۔
شمس الائمہؒ کر دی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے جس قدر مسائل مدون کئے، ان کی تعداد چھ لاکھ ہے۔^۱

”المدونہ“ میں جو امام مالکؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے (چھتیس ہزار) مسائل ہیں۔

”کتاب الام“ جو امام شافعیؒ کے افادات کا مجموعہ ہے، سات ضخیم جلدوں میں ہے۔

ابوبکر خلیل (م ۳۱۱ھ) نے امام احمدؒ کے مسائل چالیس جلدوں میں جمع کئے، اس کتاب کا نام ”الجامع العلوم لامام احمد“ ہے)

اس امت پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس اہم منصب کی سہولت کے لئے امت کو ایسے رجال کا رعا فرمائے جن کا شمار نابغہ روزگار میں ہوتا ہے اور ان کی نظیر

^۱ فجر الاسلام ۱۸۸/۳، بحوالہ مناقب ابی حنیفہؒ، طلمکى ۹۶: ۲ سیرۃ النعمان، مولانا شبلی نعمانی، بحوالہ فلائند عقود الجمان

نہیں ملتی، ان حضرات نے تفقہ، امانت اور خلوص میں منفرد مقام حاصل کیا ہے، انہیں حضرات میں سے یہ چار ائمہ بھی ہیں۔ (جن کا تذکرہ اوپر ہوا)!

ائمہ اربعہ کے شاگردوں اور جانشینوں کا کارنامہ

پھر ان (ائمہ اربعہ) کو شاگرد ایسے ممتاز ملے، جنہوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا اور ان کی تنقیح و ترتیب کا کام جاری رکھا، امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف جیسا قانونی دماغ نظر آتا ہے، جس نے ہارون رشید کی وسیع ترین سلطنت کے قاضی القضاۃ کے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دیئے اور اسلام کے اصول معاشیات پر ”کتاب الخراج“ جیسی عالمانہ تصنیف کی، اسی طرح ان کے شاگردوں میں امام محمد جیسا فقیہ اور مؤلف اور امام زفر جیسا صاحب قیاس نظر آتا ہے، جنہوں نے فقہ حنفی کو چار چاند لگائے۔

امام مالک کو عبد اللہ بن وہب، عبد الرحمن ابن القاسم، اشہب بن عبد العزیز، عبد اللہ ابن عبد الحکم، یحییٰ بن یحییٰ اللیثی جیسے وفادار شاگرد اور لائق عالم ملے جن کی کوششوں سے مصر اور شمالی افریقہ فقہ مالکی کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

امام شافعی کو بوہیطی، مزنی اور ربیع جیسے محنتی اور ذہین شاگرد ملے جنہوں نے فقہ شافعی کو مرتب و منقح شکل میں پیش کر دیا۔

امام احمد کی فقہ کو ابن قدامہ جیسا مصنف اور محقق حاصل ہوا جس نے ”المغنی“ جیسی عظیم الشان تصنیف کی جو فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔^۱

۱۔ اجتہاد کی حاجت و ضرورت ص ۷، تدوین فقہ ص ۲۴ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۸۲ ج ۱، خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۴۸ ۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۸۲ ج ۱

دور اول کے اہل حدیث کا ائمہ مجتہدین اور مرجعہ

فقہی مذاہب سے ربط و اعتماد

ہم موجودہ صدیوں میں آنے والے اسلام کے بطل جلیل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انصاف، متوازن فکر، وسعت قلب و نظر نیز حدیث نبوی اور فقہ میں دقت نظر سے نوازا تھا، وہ حکیم الاسلام امام احمد بن عبد الرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں جو شیخ ولی اللہ دہلوی کے نام سے معروف اور شہرہ آفاق کتاب ”حجة الله البالغة“ کے مصنف ہیں، وہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے مسلمانوں کی فقہی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

انہیں اس دور میں اپنی دینی زندگی میں جو مسائل اور مشکلات درپیش ہوتی تھیں تو اس کا وہ کیا حل تلاش کرتے تھے؟ وہ ”حجة الله البالغة“ کے باب ”چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور بعد کے لوگوں کا حال“ میں لکھتے ہیں:.....

خواص کا یہ عالم تھا کہ وہ اہل حدیث تھے، اس لئے حدیث پر عمل کرتے تھے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار تک اپنے کو محدود رکھتے۔

جب کسی حدیث میں تعارض ہوتا اور اس میں ترجیح کا پہلو معلوم نہ ہوتا نیز درپیش مسئلہ کا تسلی بخش حل میسر نہ آتا تو وہ لوگ ماضی کے بعض فقہاء کرام کی طرف رجوع کرتے، اگر انہیں ہم پلہ دو اقوال ملتے تو وہ کسی ایک یا ان میں سے ثقہ قول کو اپنالیتے وہ اہل مدینہ یا اہل کوفہ کے قول میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے، ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں واضح احکام نہ پاتے تو وہ خود مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اور فقہی مذاہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے، ایسے لوگ مرجعہ فقہی مذاہب کے بانیوں کے طرف منسوب ہوتے تھے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی ہے،

اہل حدیث بھی ان مذاہب میں سے جس مذہب سے زیادہ متفق ہوتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے۔

ائمہ اربعہ ہی میں انحصار کیوں ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جا رہا ہے، اپنے رسالہ ”عقد الجیدی احکام الاجتہاد والتقلید“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہات و اسباب ہیں: ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر، علیٰ ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل و استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں، تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجماع نہ ہو جائے، اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم و فنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صرف و نحو، طب، شاعری، لوہاری، نجاری، رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے، ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے، لیکن واقعاً ہوتا نہیں۔“

۱۔ اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء، ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۵۲، ۳۵۳

۲۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۱۱ ج ۱۵ اجتہاد کی حاجت و ضرورت ص ۱۷

ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مسالک کیوں قابل اعتماد نہیں؟

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ آگے تحریر فرماتے ہیں:

”جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہوگیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے، وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے، وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں، سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔“^۱

حضرت مولاناؒ اپنے دوسرے مقالہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد قائم ہوگیا، وہ صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں جمع ہوں اور وہ کتب تفصیلی ہوں تا کہ مختلف ممکنہ اقوال میں سے قابل ترجیح قول کی وضاحت کی جاسکے، بعض مقامات پر ہم عام کی تخصیص کریں، بعض دوسرے مقامات پر مطلق کو مقید بنائیں، اختلافات کو جمع کریں اور احکام کی علتیں بیان کریں، بصورت دیگر ان پر اعتماد درست نہیں ہوگا، ان آخری ادوار میں مذکورہ بالا چاروں مذاہب کے علاوہ کوئی اور ایسا مذہب موجود نہیں ہے۔^۲

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۱۱ ج ۱۵، اجتہاد کی حاجت و ضرورت ص ۱۸ ۲۔ خطبات علی میاں ج ۶ ص ۳۵۶

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اہل سنت والجماعت نے بس انہی چار دبستان فقہ پر اعتماد کیا، ان کے آراء کی پیروی کرتے ہیں اور عموماً ان ائمہ کے آراء کے دائرہ میں ہی اجتہادی کاوشیں انجام دیں۔

یہیں سے تقلید کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اور یہ دراصل ایسے لوگوں کے لئے ضروری تھا جو قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ وتابعین سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے تھے، کیونکہ یہی واقفیت کسی کو جدید مسائل میں اجتہاد کا اہل بناتی ہے۔

ان ائمہ اربعہ نے شریعت کے بے شمار مسائل و حوادث پر غور کیا اور نہ صرف اپنے زمانہ کے پیش آمدہ مسائل کا حل بتایا بلکہ جو مسائل آئندہ پیش آسکتے تھے ان کے بارے میں بھی شرعی حکم بیان کر دیا، اور اس طرح بعد والوں کو جو مسائل پیش آسکتے تھے ان سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیا اور ان کے لئے اجتہاد کے مواقع کم ہی چھوڑے۔

حق دائرہ ہے ائمہ اربعہ کے درمیان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) جن کو امت نے عام طور پر سند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق و اہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمہ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے اور یہ مذاہب حقانی ہیں۔

ائمہ اربعہ کی تقلید سے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

محدث دہلوی کا ایک بشارت آمیز فرمان

حضرت مولانا سید سلمان صاحب الحسینی ندوی دامت برکاتہم اپنی کتاب ”تقلید واجتہاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے افکار و نظریات کی روشنی میں“ میں حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

”مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کے بارے میں میرا خیال پہلے ان کے برخلاف تھا..... (ان میں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے تجاوز نہ کروں، اور حتی المقدور ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کروں، میری طبیعت تقلید سے ابا کرتی ہے، اور اس سے بالکل نفرت کرتی ہے لیکن اپنے طبعی رجحان کے برخلاف مجھے ان مسالک کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے“۔

(فائدہ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی عبارت درج

ذیل ہے:

واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة أمور خلاف ما كان عندي وما كانت طبيعتي تميل إليه أشد ميل فصارت هذه الاستفادات من براهين الحق تعالى..... ثانيها الوصايا بالتقيد بهذه المذاهب الأربعة لأخرج منها، والتوفيق ما استطعت، وجبلي تأبي التقليد وتأنف منه راساً، ولكن شئ طلب مني التعبد به بخلاف نفسي ٢ (مرتب)

١۔ تقلید واجتہاد مولفہ مولانا سید سلمان صاحب الحسینی ندوی ص ۱۴۱ ۲۔ فیوض الحرمین مطبع احمد دہلی ص ۶۴

منکرینِ فقہ اور فقہاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے سخت تنقید کی ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

شاہ (ولی اللہ محدث دہلوی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غالی فقہاء اور فرقہ
ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے
سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے
غلو و انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”ان الحق امر بین بین“ معاملہ بین بین
ہے، نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے نہ دوسرا فریق۔^۱

فقہاء مجتہدین کے مدوّن کردہ فقہی سرمایہ کی قدر و منزلت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

فقہاء کا فقہی سرمایہ زندہ جاوید ہے اور عالم اسلام میں سے اکثریت اس پر
عمل پیرا ہے، یہ چاروں فقہاء وسیع اور دقیق نکتہ فہمی میں ممتاز تھے، انہوں نے فقہی اور
قانونی متاع کو تشکیل دینے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اپنی خداداد صلاحیتیں
صرف کیں۔

اس فقہی متاع کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، یہ فقہ آج کے دور میں بھی
قانون سازی کے لئے بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے، ان ائمہ نے اپنے کو اس گراں
قدر خدمت کے لئے وقف کیا اور آج امت مسلمہ ان کی پیروی کر رہی ہے، انہوں نے

زندگی میں ہر آرام، راحت اور منصب و مرتبہ قربان کر دیا اور ان میں سے ہر ایک نے علمی متاع اور فقہی میراث یادگار چھوڑی جو آج کے علمی اداروں اور بڑی بڑی تنظیموں کے پاس موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان فقہاء کو سعادت مند شاگرد عطا فرمائے تھے، جو نہ صرف ان کی علمی میراث کے وارث ہوئے بلکہ انہوں نے اس میں اضافے کئے، وہ اس کی چھان پھٹک کرنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں مصروف رہے، یہاں تک کہ فقہاء میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ ان کے بعد کے زمانوں اور ان کے ملکوں سے باہر نکل کر دوسرے علاقوں میں رائج ہو سکے۔ ان ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا وجود اسلام کی ابتدائی صدیوں میں روشنی کا مینار تھا۔

فقہی ذخیرے کی وسعت اور قدر و قیمت

اس فقہی ذخیرے کی وسعت اور اس کی قانونی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے مشہور شامی فاضل و ماہر قانون مصطفیٰ احمد الزرقاء کی کتاب ”المدخل الفقہی العام الى الحقوق المدنية“ کے مقدمہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے پیرس یونیورسٹی کے ہفتہ قانون اسلامی کے سیمینار میں مغربی ماہرین قانون کا فقہ اسلامی سے متعلق تاثر و نظریہ پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں:

مماثل قوانین کی عالمی اکیڈمی کی مشرقی قانون کی شاخ نے پیرس یونیورسٹی کے لاکالج میں ۲ جولائی ۱۹۵۱ء میں فقہ اسلامی کا ہفتہ منایا اور ایک کانفرنس منعقد کی، یہ کانفرنس موسیو Milliot پروفیسر فقہ اسلامی پیرس یونیورسٹی کی صدارت میں ہوئی، اس میں عرب غیر عرب ملکوں کے لاکالجوں کے اساتذہ، ازہر کے نمائندے، عرب اور

۱۔ اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء، ملحقہ خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۳۸

فرانسیسی وکلاء نیز مستشرقین بڑی تعداد میں مدعو کئے گئے، مصر سے چار نمائندے، منتخب ہو کر گئے، دو جامعہ فواد سے، ایک جامعہ ابراہیم کے لاکالج کے پرنسپل اور ازہر کی هیئۃ کبار العلماء ☆ کا ایک نمائندہ، دمشق یونیورسٹی کے لاکالج کی طرف سے میں نے اور ڈاکٹر معروف الدوالیسی نے نمائندگی کی، نمائندوں نے، دیوانی، فوجداری اور مالی قوانین کے پانچ عنوانات پر بحث کی جو اکیڈمی کی طرف سے پہلے متعین کر دیئے گئے تھے وہ حسب ذیل تھے:

(۱) ملکیت کا اثبات (۲) عام مفاد کے لئے استملاک (عوام کی املاک پر قبضہ) (۳) جرم کی ذمہ داری (۴) اجتہادی مذاہب فکر کا ایک دوسرے پر اثر (۵) سود کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر۔

کانفرنس کے اختتام پر تمام نمائندوں نے بالا جماع ایک تجویز پاس کی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اس کانفرنس کے شرکاء ان مباحث کے پیش نظر جو فقہ اسلامی کے سلسلہ میں پیش ہوئے اور ان بحثوں کی بنا پر جس سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو گئی کہ:

(الف) اسلامی فقہ کی ایک خاص (قانونی و دستوری) قیمت ہے، جس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) اس عظیم قانونی سرمایہ میں فقہی مذاہب کا یہ اختلاف، معلومات، مدلولات اور قانونی اصولوں کا بڑا خزانہ ہے، جو اعتراف و تحسین کا پورا مستحق ہے، اور اس کے ذریعہ فقہ اسلامی اس قابل ہے کہ جدید زندگی کی ضروریات اور مطالبات کی تکمیل کر سکے۔

اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ ہفتہ ہر سال منایا جایا کرے، اور

☆ علماء ازہر کی وہ بڑی کونسل جو اہم دینی و علمی مسائل میں فیصلہ کرتی ہے۔

کانفرنس کے سکریٹریٹ کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں کہ وہ ان موضوعات کی ایک فہرست تیار رکھے جن کو آئندہ جلسہ میں بحث و مذاکرہ کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے اور جن کی اہمیت کا گزشتہ مباحثات سے اظہار ہوتا ہے۔

کانفرنس کے نمائندے اس کی بھی امید رکھتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی ایک ڈائرکٹری تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنادی جائے گی جس کے ذریعہ قانون کی کتابوں سے استفادہ اور مراجعت آسان ہو جائے گی، اور وہ ایک ایسا فقہی انسائیکلو پیڈیا بن سکے گی، جس میں اسلامی قانون کی تمام معلومات جدید طرز پر مرتب کی گئی ہوں گی۔^۱

فقہ اسلامی کی جدید تدوین اور جدید مسائل کا استنباط

اسلامی فقہ کے اصول و کلیات کی روشنی میں ممکن ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: فقہ اسلامی کی جدید تدوین و توسیع کا کام کسی نئے قانون کی بنیاد رکھنے کے مرادف نہیں، جس کے لئے نئے اصول وضع کرنے اور ایک چیز کو عدم سے وجود میں لانے کی ضرورت ہو، اسلامی فقہ و قانون کا وہ عظیم سرمایہ اور انسانی ذہانت و محنت کا وہ عجیب و غریب نمونہ ہے جس کی نظیر دنیا کے قانونی ذخیروں میں ملنی مشکل ہے، یہ زندگی کے بہت بڑے حصہ اور عصر قدیم کے اکثر حالات پر حاوی ہے، صرف اس کی ضرورت ہے کہ ان حکیمانہ اصول و کلیات سے (جو سراسر قرآن و حدیث پر مبنی ہیں) نئے جزئیات کا استنباط کیا جائے اور ان سے موجودہ زندگی کی ضروریات اور تبدیلیوں میں رہنمائی حاصل کی جائے۔^۲

۱۔ المدخل الفقہی العام ج ۱ ص: ۵۵، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۲ء تدوین فقہ ص ۱۹، ۲۰

۲۔ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۸

فقہائے مجتہدین کے فقہی سرمایہ سے استغناء بے نیازی مضر اور محرومی کا سبب ہے

مذہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی وحدتِ ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی و استغناء کو مضر و محرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن و معاشرت کی تغیر پذیری، اور نمو و ارتقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث و تغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب اللہ ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے۔^۱

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۱۳ ج ۵، تدوین فقہ ص ۵۸

باب

امام ابوحنیفہؒ کی اہمیت اور فقہ حنفی کی خصوصیت

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

شاہ صاحب کا سارا علمی نشوونما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ مذہب حنفی کے خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے، جتنا کہ کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے، اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف تاریخی، علمی، سیاسی و تمدنی اسباب کی بناء پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت ہوئی ہے، اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے، ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفریع کی گئی ہے، اتنا کسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

كان عظيم الشأن في التخریج علی مذهب ابراهيم واقرا نه دقیق
النظر فی وجوه التخریجات مقبلا علی الفروع اتم اقبال۔
(ترجمہ) امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ ابراہیمؒ نخی اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب
پر اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا، ان تخریجات کے وجوہ و اشکال
میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان
کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

۱۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ص ۲۳۹ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۰۲ ج ۵ تدوین فقہ ص ۲۷، ۲۸

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فقہ واجتہاد میں بلند مقام

ایسے فقیہ و مجتہد کہ ملتوں میں ان کی نظیر نہیں پائی جاتی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نہ صرف فقیہ اور مجتہد تھے بلکہ ایسے فقیہ اور مجتہد تھے کہ میں شریعت اور فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ملتوں میں ان دونوں کی مثالیں نہیں ملتیں۔^۱

مذہب حنفی ایک بہترین طریقہ ہے جو احادیث کے موافق ہے

حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی تدوین و تنقیح امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے عہد میں ہوئی اور وہ طریقہ یہ ہے کہ علمائے ثلاثہ (یعنی امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے اقوال میں سے جس کا قول حدیث سے زیادہ اقرب ہو، اسے اختیار کیا جائے، اس کے بعد ان حنفی فقہاء کے اختیارات پر عمل کیا جائے جو محدث بھی تھے، کیونکہ بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں علمائے ثلاثہ نے مسلک کی بنیادی کتابوں میں سکوت اختیار کیا ہے، ان کی نفی بھی نہیں کی ہے، اور احادیث ان (کے جواز) پر دلالت کرتی ہیں، لہذا ان کو مانے بغیر چارہ نہیں، اور یہ سب مسلک حنفی کے دائرہ میں ہی ہے۔“

^۱ ماہنامہ پیام عرفات رائے بریلی اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۴

فقہ حنفی کی دوسرے مذاہب پر فوقیت و ترجیح

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

فقہی اختلافات اور مختلف اجتہادات و خیالات کا یہ تقاضہ ہوا کہ مختلف فقہی مذاہب اور اجتہادی آراء کا کتاب و سنت کی روشنی میں تقابل کیا جائے، اور ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر اور ایک اجتہاد کو دوسرے اجتہاد پر فوقیت دی جائے۔

مولانا سید سلمان ندوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

”اس لئے میں کہتا ہوں کہ مجھے ایسا نظر آتا رہا کہ مسلک حنفی میں کوئی اہم راز ہے، میں مسلسل اس مخفی راز کو سمجھنے کے لئے غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ اس دقیق معنی اور مخفی حقیقت کے اعتبار سے اس (حنفی) مسلک کو ان دنوں تمام مسالک پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہے“۔

(فائدہ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

عرّفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن فی المذہب الحنفی طریقة أنيقة أوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری وأصحابہ وذالک أن یؤخذ من أقوال الثلاثة قول أقربهم بها فی المسئلة، ثم بعد ذلك یتبع إختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فربّ شیء سکت عنه الثلاثة فی الأصول وماتعرضوا لہ، ودلت الأحادیث علیہ فلیس بدّ من إثباتہ والکل مذهب حنفی۔

فمنقول ترائی لی أن فی المذہب الحنفی سرّاً غامضاً ثم لم أزل أتحقق فی هذا السرّ الغامض حتی وجدت ما بینا، وشاہدت أن لهذا المذہب یومنا هذا رجحاناً علی سائر المذاهب بحسب هذا المعنی الدقیق وإن کان بعضها أرجح منه بحسب المعنی الأول،..... فیرجح هذا المذہب علی سائر المذاهب۔

۱۔ مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی ص ۶۱ ۲۔ تقلید و اجتہاد ص ۱۴۰، ۱۴۱ ۳۔ فیوض الحرمین ص ۴۸، ۱۰۵

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا مسلک

حضرت مولانا سید سلمان الحسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں اور ان فقہاء محدثین کے زمرے میں ہیں جو قوی و ضعیف، صحیح و غلط اور راجح و مرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس درجہ کا کوئی حنفی محدث اور فقیہ النفس پیدا نہیں ہوا۔

حتی الوسع آپ حنفی مسلک ہی میں اس قول کو اختیار کرتے جو حدیث اور دوسرے مسالک سے متفق ہو، لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر اور آپ کے دو محقق شاگرد و حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور محقق ابن امیر الحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحر حدیث، اطلاع رجال، فن جرح و تعدیل اور اصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں، اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا بھی شمار ہونا چاہئے، بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جیسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اور اس کے باوجود ان کو فقہائے حنفیہ ہی میں شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض مسائل اور احکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسلک کا خلاصہ

حضرت مولانا سید سلمان صاحب الحسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارتوں کے) ان ہی اقتباسات سے ہم

۱۔ تقلید و اجتہاد ص ۱۴۸ مولفہ حضرت مولانا سید سلمان الحسنی ندوی دامت برکاتہم

حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے بارے میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل نتائج تک بھی پہنچتے ہیں:

- (۱) ائمہ اربعہ کے اختلافات کے بارے میں آپ پر پوری حقیقت منکشف ہوگئی ہے اور آپ اس کا صحیح منشا بھی سمجھ گئے ہیں۔
- (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی کہ مذاہب اربعہ کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں اور جہاں تک ممکن ہو ان میں تطبیق دیں۔
- (۳) آپ کو اپنے طبعی رجحان یا میلان کے خلاف مجموعی طور پر ان مسالک کی تقلید پر مامور کیا گیا۔
- (۴) آپ کو حکم دیا گیا کہ فروعی مسائل میں بھی ”حنفیہ“ کے خلاف نہ کریں جب تک صراحۃً کسی حدیث کی مخالفت نہ ہو۔

اس ملک کے لئے سب سے بہتر منہج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

اس ملک کے لئے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے جس کے آثار و تابندہ نقوش ابھی بھی باقی ہیں ان کے فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغہ روزگار اور مجتہدانہ فقہی علمی بصیرت کا حامل تھا ان کا مشن جاری رکھا۔

حنفی مسلک کی عمومیت و مقبولیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

یہ تختی براعظم (ہندوستان) شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین

۱۔ تقلید و اجتہاد ص ۱۴۷ ۲۔ وقت تقاضا کیا ہے خطبات علی میاں ص ۲۳۶ ج ۴

رہا جو یا ترکی النسل تھے، یا افغانی النسل اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر و اشاعت میں سرگرم اور پرجوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً ۸۰۰ سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقع نہیں ملا، شافعی مذہب سواحل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالہ میں محدود رہا، ان میں بھی مالا بار کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجار، مشائخ اور فقیہ و عالم آئے، شیخ مخدوم فقیہ علی مہایمی اور مالا بار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ السکری الصدیقی نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباری صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ و محدث نہیں پیدا ہوئے، جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے، اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی پر عمیق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے۔

ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث و فقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں ۱۰۰ فیصدی سنی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذہ فقہ و حدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔ (مثلاً علامہ شیخ متقی برہانپوری، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیاہ سندی وغیرہ)۔

فقہ حنفی کی چند خصوصیات

علامہ شبلی نعمانیؒ نے ”سیرۃ العمان“ میں فقہ حنفی کی خصوصیت پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا

خلاصہ یہ ہے کہ:

- (۱) فقہ حنفی کے مسائل اسرار و مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔
- (۲) فقہ حنفی پر عمل بہ نسبت تمام فقہوں کے نہایت آسان ہے۔
- (۳) فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور متمدن ہیں۔
- (۴) فقہ حنفی نے ذمیوں کے حقوق (یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں) نہایت فیاضی اور آزادی سے دیئے ہیں، یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے یہاں نہیں ملتی۔
- (۵) فقہ حنفی نصوص شرعیہ کے موافق ہے، یعنی جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابو حنیفہؒ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً قوی اور مدلل ہوتا ہے۔

ہندوستان میں فقہ حنفی کی سیادت اور اس کا رواج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس ملک کا دین بھی ایک تھا، آئین بھی، دینی زبان (عربی) دفتری زبان (فارسی) بھی ایک تھی، تہذیب بھی ایک تھی، اور قانون (فقہ حنفی) بھی ایک تھا، اور حکومت بھی (جس کے صرف افراد اور بعض اوقات خاندان جو سب سنی العقیدہ حنفی المذہب مسلمان ہوتے تھے بدلتے تھے) ایک تھی۔

حضرت مولانا سید سلمان الحسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کا عام مذہب حنفی تھا اور فتوحات اسلامیہ سے لے کر سلطان محمد شاہ کے آخری وقت تک یہی قانونی مذہب رہا، سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عالمگیر یہ تدوین کرایا، ان مدونین میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا حضرت شاہ

۱۔ سیرۃ النعمان ص: ۹۴، لخص ۲۔ کاروان زندگی ص: ۲۳۴

صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے اور آخری اسلامی دور کا یہی ہندوستان میں قانون رہا، ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی صاحب ”المواہب اللطیفۃ علی مسند ابی حنفیہ“ و ”طوالح الانوار شرح الدر المختار“ وغیرہ شیخ محمد ہاشم سندھی شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قاسم سندھی، شیخ ابوالحسن سندھی اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے جانشین شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور السید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تبحر حدیث وغیرہ میں کچھ کم نہیں، سب حنفی المذہب ہی ہیں حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز حنفی محدث آپ کے جانشین رہے اور شاہ عبدالعزیز کی جانشینی شاہ محمد اسحاق آپ کے نواسے نے کی اور شاہ اسحاق کے مسند نشین شیخ عبدالغنی مجددی ہوئے یہ سب بھی حنفی المسلك محدث تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

جہاں تک برصغیر ہندوستان کا تعلق ہے، جہاں فقہ حنفی کی سیادت و رواج تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان اور بعض چیدہ و برگزیدہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے مسائل حاضرہ اور وقت کی ضرورتوں پر فقہ و شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائی اور ان کے فتاویٰ کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

فقہ حنفی کی خدمت میں علماء گجرات کا تفوق و امتیاز

علوم و فنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی

۱۔ تقلید واجتہاد ص ۱۴۸ مولفہ حضرت مولانا سید سلمان الحسنی ندوی دامت برکاتہم ۲۔ تدوین فقہ ص ۲۳

سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی۔

فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف

اس اجلاس و موضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جو نہر والہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کی دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر ”فتاویٰ حمادیہ“ تصنیف کی جس کے حوالے فتاویٰ عالمگیری میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م ۹۹۹ء) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحب ”نیل الاوطار“ نے اپنی کتاب ”البدرا الطالع“ میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں جن کے فضل و کمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر و شرف سمجھا گیا وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے و کفیٰ بہ فخراً و شرفاً۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ و قضاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات کے امتیاز و اختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز و اختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دارالملک دہلی کے قاضی تھے، ۱۰۸۶ھ میں عالمگیری نے ان کو مجبور کر کے قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چو کے، ان کے بعد ہی ان کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ھ میں ان کی جگہ قاضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی و فنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

۱۔ فقہ و قضا کی صلاحیت میں علمائے گجرات کا امتیاز و اختصاص، خطبات علی میاں جلد ششم ص ۳۸۵

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب عالمگیر اور علماء ہند کا بڑا کارنامہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

عالمگیرؒ ایک دیندار، متقی و پرہیزگار اور مقلد عالم دین تھے، حنفی مسلک کے سختی سے پابند تھے، کسی قول و فعل میں اس سے تجاوز نہ کرتے اور عزیمت پر عمل کرتے۔

حدیث میں گہری بصیرت رکھتے تھے، تحت نشینی کے بعد آپ نے چالیس احادیث پر مشتمل ایک کتاب تیار کی جس کا نام ”کتاب الاربعین“ رکھا، پھر فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور عمدہ فوائد پر مشتمل حاشیہ تحریر فرمایا، فقہ میں بھی مکمل مہارت رکھتے تھے، جزوی مسائل کے استحضار میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔

عالمگیرؒ فطری طور پر عدل و احسان اور شریعت مطہرہ کے مطابق فیصلہ کرنے کے خوگر اور عادی تھے، علماء کی بڑی جماعت کو حکم دیا کہ وہ فقہی ابواب کے تحت ہر باب سے متعلق مسائل اور قضایا کو مرتب اور مدون کریں، چنانچہ ان کبار علماء نے اس کام کو انجام دیا، اور چھ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ عالمگیری اجتماعی طور پر مرتب کی جو حجاز کے مختلف ممالک مصر، شام، روم وغیرہ میں مشہور ہو گئی، اور اس کا نفع پورے طور پر عام ہو گیا، یہاں تک کہ تمام مفتیوں کے لئے یہ کتاب مرجع و ماخذ کی حیثیت رکھنے لگی، عالمگیرؒ نے اس کتاب کی جمع و ترتیب میں تقریباً دو لاکھ روپے خرچ کئے اور قاضیوں (ججوں) کو حکم دیا کہ اسی کے مطابق فیصلے کیا کریں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے..... کے اقدامات کئے،

۱۔ القراءۃ الراشدہ الجزء الثالث ترجمہ از عربی، ص ۱۰۰

مختص کا شرعی عہدہ قائم کیا تاکہ وہ خلق خدا کو منہیات و محرمات سے منع کرے، شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجہ میں ”فتاویٰ عالمگیری“ کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر، شام و ترکی میں بھی (جہاں وہ الفتاویٰ الہندیہ کے نام سے مشہور ہے) قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فقہ حنفی کی قابل قدر علمی خدمت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میری پرانی خواہش تھی کہ ان بچوں کے لئے جو کمسنی میں فقہ کی کتابیں پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور جو فارسی و منطق وغیرہ کا قدیم مرحلہ طے کئے بغیر ”سن مرہقہ“ (قبل بلوغ) میں ”نور الایضاح“ اور ”قدوری“ پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں، کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جس میں عبارت کی سہولت، پیرا گروں کی تقسیم، مثالوں اور تشریحی باتوں میں سن و سال کا لحاظ اور مسائل میں صرف عملی اور محتاج الیہ مسائل کا انتخاب ہو،..... اور وہ جو عربی میں پہلی فقہ کی کتاب کے طور پر پڑھائی جاسکے، میں نے خود یہ کام شروع کیا تھا، لیکن مکمل نہ ہو سکا، الحمد للہ گزشتہ سال عزیز گرامی مولوی شفیق الرحمن ندوی نے ”الفقہ المیسر“ ☆ کے نام سے کتاب تیار کر دی جس کو اہل نظر اہل فن نے بھی پسند کیا، اور وہ دارالعلوم میں داخل نصاب ہے۔

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۴۴ ج ۵ ۲۔ کاروان زندگی ص ۲۲۵ ج ۱

☆ اس کتاب کے تمام مسائل، جزئیات و فروعات سب حنفی مسلک کے مطابق ہیں، اور حنفی مسلک کی کتابوں (خصوصاً نور الایضاح) کو سامنے رکھ کر ہی یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، جیسا کہ مصنف کتاب نے ”کلمۃ المؤلف“ میں اس کا اظہار کیا ہے۔ (مرتب)

فصل فتاویٰ عالمگیری

اہمیت اور امتیازات و خصوصیات

حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم
(مدیر البعث الاسلامی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

یہ پورا مضمون حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب دامت
برکاتہم (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کا لکھا ہوا ہے، جو فتاویٰ
عالمگیری کی اہمیت اور امتیازات و خصوصیات پر مشتمل ہے، موقع کی
مناسبت سے حضرت اقدس مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ اور
شکریہ کے ساتھ یہ مضمون یہاں درج کیا جا رہا ہے، انشاء اللہ مفید ثابت
ہوگا۔ اصل مضمون عربی میں تھا جو البعث الاسلامی جلد نمبر ۲۹ شمارہ
نمبر ۱ میں شائع ہوا تھا اس کا ترجمہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

سبب تالیف

اورنگ زیب عالمگیر کے عظیم کارناموں میں فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب بھی
ہے، ان کی عمر جب ۵۰ سال کی ہوئی، اور دس سال نظام حکومت پر بھی گزر گئے تو ان
کے ذہن میں اس عظیم کتاب کی تالیف کا خیال آیا، چنانچہ اس کام کا آغاز ۱۰۷۸ھ

میں ہوا، اورنگ زیبؒ نے علمائے وقت کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ فقہ اسلامی کا ایک ایسا مجموعہ تیار کرنے کی ضرورت ہے، جو مرجع کی حیثیت رکھے اور اس کو حکومت کا قانون بھی بنایا جاسکے، چنانچہ ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اورنگ زیب براہ راست اس کی نگرانی کر رہے تھے، روزانہ سونے سے پہلے کام کا جائزہ لیتے، اگر کوئی رائے ہوتی تو علماء سے بحث کرتے اور قرآن و حدیث اور اجماع سے دلیل طلب کرتے۔

بادشاہ وقت کی اس غیر معمولی دلچسپی سے کمیٹی کے افراد میں نئی روح دوڑ گئی، انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی پر مبذول کی، اس کام میں دن رات ایک کر دیا، یہاں تک کہ یہ مجموعہ دو سال میں ۶ ضخیم جلدوں میں مرتب ہو کر ۱۰۸۰ء میں منظر عام پر آیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ اپنی کتاب ”الدعوة الاسلامیة فی الہند وطور اتھا“ میں اس نیک صفت بادشاہ کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مورخین نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کی شریعت پر استقامت اور ان کی عبادت و تقویٰ کے ایسے واقعات ذکر کئے ہیں جو حیرت انگیز ہیں، نظام حکومت سنبھالنے کے بعد انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا، چالیس حدیثیں جمع کیں اور ان کی شرح بھی لکھی، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا بھی حکم دیا، تاکہ اس کو حکومت کے قانون کی حیثیت حاصل ہو، اور ایک کمیٹی تشکیل دی، براہ راست اس کی نگرانی کی، وہ روزانہ سونے سے پہلے کمیٹی کے تیار کردہ مواد کو پڑھتے تھے، اس کو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے جانا جاتا ہے۔“

(الدعوة الاسلامیة فی الہند وطور اتھا ص ۲۰)

فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات

مندرجہ ذیل سطور میں ہم اس کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہیں:

- ۱۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اس اہم کتاب کی ترتیب میں دو لاکھ روپے صرف کئے، اس مبلغ کی اس زمانہ میں بڑی اہمیت تھی۔
- ۲۔ پورے ملک میں بادشاہ نے یہ سرکاری فرمان جاری کر دیا کہ تمام ذیلی اور مرکزی عدالتیں اس کتاب کی روشنی میں فیصلہ کریں۔
- ۳۔ ملک کے چنندہ علماء اور فقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی، اس کا سربراہ مولانا نظام الدین برہانپوری کو بنایا، یہ بادشاہ کے خواص میں تھے، انہوں نے علماء کی ایک جماعت کے تعاون سے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا، بتوفیق الہی دو سال کی مدت میں یہ کام مکمل ہوا۔

مرتبین فتاویٰ عالمگیری

یہاں ہم ان علماء و فقہاء کے نام بالترتیب ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا، درج ذیل چار علماء اس کمیٹی کے سب سے اہم اور بنیادی ارکان تھے:

- ۱۔ قاضی محمد حسین جوہنپوری محتسب
 - ۲۔ مولانا علی اکبر حسینی اسعد اللہ خانی الہ آبادی
 - ۳۔ مولانا حامد بن ابی الحامد جوہنپوری
 - ۴۔ مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری
- ان کے علاوہ درج ذیل علماء نے اس عظیم علمی کارنامہ کی تکمیل میں حصہ لیا:
- ۵۔ مولانا نظام الدین برہانپوری
 - ۶۔ مولانا نظام الدین تھوی سندھی
 - ۷۔ مولانا ابوالخیر تھوی

-
- ۸۔ مولانا رضی اللہ بھاگلپوری
 ۹۔ مولانا محمد جمیل جونپوری
 ۱۰۔ مفتی وجیہ الدین گوپا منوی
 ۱۱۔ مولانا سید محمد بن محمد قنوجی
 ۱۲۔ مولانا جلال الدین مچھلی شہری
 ۱۳۔ قاضی عبدالصمد جونپوری
 ۱۴۔ مولانا ابوالواعظ ہرکامی
 ۱۵۔ مفتی ابوالبرکات دہلوی
 ۱۶۔ مولانا احمد بن ابوالمنصور گوپا منوی
 ۱۷۔ مولانا عبدالفتاح صمدانی
 ۱۸۔ مولانا قاضی عصمتہ اللہ لکھنوی
 ۱۹۔ قاضی محمد دولت فتحپوری
 ۲۰۔ مولانا محمد سعید سہالوی
 ۲۱۔ مولانا محمد شفیق سرہندی
 ۲۲۔ مولانا محمد غوث کاکوروی
 ۲۳۔ مولانا عبدالرحیم دہلوی
 ۲۴۔ مولانا فصیح الدین پھلواری
 ۲۵۔ قاضی سید عنایت اللہ مونگیری
 ۲۶۔ مولانا وجیہ الرب ملا
 ۲۷۔ مولانا غلام محمد ملا
 ۲۸۔ علامہ ابوالفرح
-

فتاویٰ عالمگیری کے مآخذ و مراجع

یہ کتاب فقہ اسلامی کے اہم ترین مصادر میں ہے، کیونکہ اس میں ایک مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے، یہ ایسی گراں قدر خدمت ہے جس کی نظیر کیا ہے، علماء نے اس کتاب میں ایسے فقہی مسائل ذکر کئے ہیں، جن سے کوئی بھی شخص، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، حاکم ہو یا محکوم، مرد ہو یا عورت بے نیاز نہیں ہو سکتا، تمام مسائل آسان زبان میں انوکھے اسلوب میں لکھے گئے ہیں، کتب فقہ کے اہم مصادر و مراجع کی روشنی میں ان کو مرتب کیا گیا ہے۔

اس عظیم فقہی مجموعہ کے مصادر و مراجع کی فہرست کافی طویل ہے، علما نے اس کے مراجع ۱۲۴ تک شمار کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کتاب کا علمی معیار کافی بلند ہے، چند مراجع حسب ذیل ہیں:

مراجع فتاویٰ عالمگیری

۱. الوافی
۲. الکافی
۳. الملتقط
۴. الزادۃ
۵. خزائن الفقہ مؤلفہ امام ابو الیث
۶. الہدایۃ مؤلفہ فقیہ برہان الدین مرغینانی
۷. شرح الطحاوی مؤلفہ امام بدر الدین العینی
۸. البدائع
۹. المغنی



۱۰. العناية
۱۱. الذخيرة
۱۲. الخلاصة
۱۳. الفرائض الزاهدية مؤلفه ابو الرجاء مختار بن محمود (م ۶۵۸)
۱۴. الظهيرية لظهير الدين بخارى (م ۶۱۹)
۱۵. المحيط مؤلفه شيخ برهان الدين
۱۶. المحيط مؤلفه شيخ رضى الدين السرخسى
۱۷. فتاوى قاضى خان
۱۸. شرح الوقاية
۱۹. التبيين مؤلفه امام نسفى
۲۰. السراج الوهاج
۲۱. فتح القدير
۲۲. البحر الرائق
۲۳. الجامع الصغير
۲۴. الجامع الوجيز
۲۵. الفتاوى السراجية
۲۶. الاختيار والمختار
۲۷. الكفاية شرح الهداية
۲۸. الجوهرة النيرة
۲۹. القنية



۳۰. النهر الفائق
۳۱. المبسوط مؤلفه امام سرخی
۳۲. فتاویٰ شیخ الاسلام المعروفة بخواهر زاده
۳۳. شرح المبسوط
۳۴. العتایة المعروفة بجامع الفتاویٰ
۳۵. خزانة المفتیین
۳۶. شرح العینی علی الكنز
۳۷. المفید والمزید
۳۸. خزانة الفتاویٰ
۳۹. الاسرار فی الاصول والفروع
۴۰. الدبوسی (م. ۴۳۰)
۴۱. شرح الزیادات النقایة
۴۲. شرح المجمع مؤلفه ابن الملک
۴۳. التجنیس مؤلفه صاحب الهدایة
۴۴. الفتاویٰ الولوالجیة
۴۵. فتاویٰ الامام الکرخی
۴۶. الفتاویٰ الکبریٰ
۴۷. الفتاویٰ الصغریٰ مؤلفه امام حسام الدین عمر بن عبد العزیز (م ۵۳۶)
۴۸. الفتاویٰ التمر تاشی
۴۹. فتاویٰ قراخانی



۵۰. مختار الفتاویٰ مؤلفہ ابو الفضل مجد الدین

الموصلی (م ۶۸۳ھ)

۵۱. تنویر لجامع الكبير

۵۲. شرح كتاب الاستحسان مرتبه شمس الائمة الحلواني

۵۳. فتاویٰ ابی الفتح مؤلفہ مجد الدین ابو الفتح (م ۶۳۲ھ)

۵۴. فتاویٰ الخجندی

۵۵. فتاویٰ رشید الدین

۵۶. فتاویٰ النسفی

۵۷. فتاویٰ الفضیلی

۵۸. شرح الزيادات مؤلفہ عتابی

۵۹. الاسعاف

۶۰. المستصفیٰ

۶۱. شرح ادب القاضی

۶۲. نوادر ابن سماعہ

۶۳. الوقعات الحسامیة

۶۴. فوائد نظام الدین

۶۵. البحر الزاخر

۶۶. فصول الاثروشنی

۶۷. القدوری

۶۸. ینابیع الاحکام

۶۹. شرح مقدمة ابی الیث



۷۰. الوقایة

۷۱. المصنفی

۷۲. الکفایة

۷۳. التهذیب

۷۴. جامع الجوامع

۷۵. جواهر الاخلاطی

۷۶. البر جندی

۷۷. غایة البیان

۷۸. اقرار العیون

۷۹. مختارات النوازل مؤلفه صاحب الهدایة

۸۰. شرح الهدایة مؤلفه ابو العباس السروجی

۸۱. المنتقی

۸۲. المجتبی

۸۳. الوقایات

۸۴. التحریر شرح الجامع الکبیر للحصیری

۸۵. الفصول العمادیة

۸۶. الحاوی

۸۷. الکفایة

۸۸. النهایة

ان مراجع کا سرسری مطالعہ ہی اس مجموعہ فتاویٰ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے، ان سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں کس قدر دقت نظر ملحوظ رکھی گئی ہے، مرتبین نے کتنی جانکاہی اور جگر کاوی کا ثبوت دیا ہے۔

ترتیب واسلوب

کتاب عام فقہی کتابوں کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے، جیسے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، وغیرہ، ان میں سے ہر کتاب کئی ابواب پر مشتمل ہے، سوائے چند کے: کتاب الملقیٰ، کتاب الملقطہ، کتاب الالباق، کتاب المفقود، یہ چاروں اجزاء ابواب سے خالی ہیں، اور ہر جزء ذیلی مباحث اور فصلوں پر مشتمل ہے، اور ان کے مندرجات ہیں، جن میں فروعی مسائل تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب الزکاۃ میں ۸ ابواب ہیں

۱۔ پہلا باب زکاۃ کے معنی، حقیقت اور شرائط پر مشتمل ہے

۲۔ دوسرا باب جانوروں کی زکوۃ کے بارے میں ہے، اس میں پانچ فصلیں ہیں، پہلی فصل میں تمہید ہے، دوسری فصل اونٹ کی زکوۃ کے بارے میں، تیسری فصل گائے کی زکوۃ کے بارے میں۔ چوتھی فصل بکرے کی زکوۃ، پانچویں فصل ایسی اشیاء کے سلسلہ میں ہے جس میں زکوۃ نہیں۔

تیسرا باب سونے چاندی، سامان وغیرہ کی زکوۃ کے سلسلہ میں ہے، اس میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل سونے اور چاندی کے زکوۃ کے بارے میں، دوسری فصل سامان وغیرہ کی زکوۃ۔

چوتھا باب عشر دینے والے کے باب میں

پانچواں باب معدنیاتی اشیاء کے بارے میں

چھٹا باب کھیتی اور پھل کے بارے میں

ساتواں باب مصارف زکوۃ کے بارے میں اس مال کو بیت المال میں جمع

کرنے کی چار شکلیں ہیں، آٹھواں باب صدقہ فطر کے بارے میں۔

فتاویٰ عالمگیری کے چند فقہی امتیازات

اس کتاب کی فقہی اہمیت مسلم ہے، کیونکہ اس میں یا تو وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں جن کا تعلق ظاہر الروایۃ سے ہے، ظاہر الروایۃ سے مراد امام محمدؒ کی چھ متعینہ کتابیں ہیں، (جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط، زیادات) یہ بات معلوم ہے کہ فقہی حنفی کی بنیاد ان ہی چھ کتابوں پر ہے، یا اس کتاب میں وہ مسائل ذکر کئے گئے ہیں جو رائج اور مفتی بہ ہیں۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ موضوع کی اہم کتابوں کا خلاصہ اور قابل اعتماد مصادر کا انچوڑ ہے، اس کتاب کو ماہر علماء، فقہاء کی ایک ٹیم نے تیار کیا ہے، طول و طویل مباحثے اور قانونی مذاکرے کے بعد اس کو ترتیب دیا گیا ہے، جن لوگوں نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا وہ علم و عمل، اور روایت و درایت کی اعلیٰ چوٹی پر تھے، تقویٰ و طہارت ان کا شعار تھا، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوتیں تو نہ وہ اس عظیم کتاب کو مرتب کر سکتے تھے اور نہ یہ اغلاط سے پاک ہوتی۔

ہندوستان کی علمی اسلامی تاریخ میں فقہ اسلامی کا پہلا عظیم الشان کارنامہ ایک صداقت شعار، دیانتدار بادشاہ کے ذریعہ وجود میں آیا، جس میں فقہ اسلامی کے تمام مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے، بادشاہ نے پوری سخاوت و فیاضی کے ساتھ اس میں حصہ لیا، جبکہ مسلمان حکمرانوں کے زمانہ کی سینکڑوں کتابیں نہ تو وہ طبع ہو سکیں اور نہ انہیں دوام ملا۔

فتاویٰ عالمگیری کو علمی حلقوں میں بڑی قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، عبادات ہی مصنفین کی کاوشوں کا مرکز نہیں رہے، بلکہ معاملات پر بھی ان کی کوششیں لائق مبارک باد ہیں۔

کتاب کا ہر مسئلہ حوالہ سے مزین ہے، اگر حوالہ دستیاب نہیں ہوا تو جس شخصیت سے یہ مسئلہ منقول ہے اس کا نام دیا گیا۔

فتاویٰ عالمگیری مشاہیر علماء کی نظر میں

مولانا محمد کاظم اپنی کتاب جہانگیر نامہ میں لکھتے ہیں:

”اورنگ زیب عالمگیری کی گونا گوں علمی اور اسلامی خدمات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک دینی فقہی انسائیکلو پیڈیا تیار کرنے پر پوری توجہ مبذول کی، کیونکہ ہندوستان میں جو مسلمان فقہ اسلامی کے مطابق حنفی مسلک اور اس کے ائمہ کی اجتہادات کی روشنی میں زندگی گزار رہے تھے ان میں کمی آگئی ہے، بلکہ وہ تقریباً ترک کر چکے ہیں، جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے، جو فقہ و فتاویٰ کی کتاب میں موجود ہے، وہ ضعیف روایتوں اور مختلف فیہ اقوال سے بھری ہوئی ہے، اور ایک کتاب میں یکجا بھی نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ان مسائل کا عمل بہت کم ہو گیا ہے، نہ عوام کو مسئلہ معلوم کرنے کے لئے کوئی فقیہ نظر آتا اور نہ ان کو صحیح مسئلہ بیان کرنے والا دکھائی دیتا، اللہ تعالیٰ نے اورنگ زیب عالمگیری کے دل میں بات ڈالی کہ انہوں نے ماہر علماء کرام کے تعاون سے اس کام کو انجام دیا، اور اپنی پوری توانائی مصادر فقہ کو جمع کرنے پر صرف کی، تاکہ مفتیان کرام تصنیف و تالیف کی بہترین خدمت انجام دے سکیں۔“

علماء کی اس ٹیم کے صدر علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے، انہوں نے بھرپور محنت کی اور مسائل کی تدوین میں مشغول ہو گئے، بادشاہ نے کام کرنے والے افراد کے لئے معقول وظیفہ بھی متعین کیا جو ان کو ماہہ بماء دیا جاتا تھا، انشاء اللہ بادشاہ کو اس جلیل خدمت کا خاطر خواہ اجر ملے گا“ (عالمگیر نامہ: ۱۰۸۶-۱۰۸۷)۔

مولانا عبدالرحمن بہراوی جنہوں نے مصر کے مختلف مکتبہ بولاق سے اس

کتاب کو ۱۳۱ء میں طبع کرایا، وہ کتاب کا پس منظر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یاد رہے کہ اس آسان سہل کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ عالی جناب بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر جب دنیا میں دینی دعوت کو عام کرنے میں مصروف رہے، اور چاہا کہ مفتی بہ قول کے مطابق اختلافات اور ضعیف روایات سے گریز کرتے ہوئے ایسا مجموعہ مرتب ہونا چاہئے جو جامع و مانع ہو، تاکہ اس کا سمجھنا آسان ہو اور استفادہ ممکن ہو، چنانچہ انہوں نے نمائندہ علماء کو اس کام پر معمور کیا، مولانا نظام الدین کو ان کا صدر بنایا، انہوں نے جان توڑ کوشش کی اور اپنی نیتوں کو خالص کیا، اور چھوٹی بڑی کتابوں کی فہرست تیار کی، اور ان کو منگایا اور ان سے مسائل نکالنے میں لگے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس مجموعہ کو مکمل کرنے کی توفیق دی، اس طرح یہ کتاب جامع اور تمام فروعی مسائل کا احاطہ کرنے والی قرار پائی، اس کا نام فتاویٰ عالمگیری رکھا گیا، سلطان عالمگیر نے اس کی ترتیب کا حکم دیا تھا“ (مقدمہ طبع دوم: ۲)۔

مؤرخ ہند مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ”الثقافة الاسلامیہ فی الہند“ میں اس فقہی مجموعہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

”جہاں تک فتاویٰ عالمگیری کی بات ہے تو لوگ اس کو فتاویٰ ہندیہ بھی کہتے ہیں، یہ کتاب ایسی نفع بخش ہے کہ اس میں مسائل زیادہ، عبارتیں سہل، مشکل مقامات حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، عالم عرب میں یہ کتاب فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ہے، یہ چھ بڑی جلدوں میں ہے، پہلی جلد کا آغاز ہوتا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین“۔ یہ کتاب ہدایہ کے طرز پر مرتب کی گئی ہے، اور ظاہر الروایۃ کو اہمیت دی گئی ہے، ہر عبارت اس کے لکھنے والے کی طرف منسوب کی گئی ہے، میں برابر فکر مند رہا کہ اس کے پیچھے کیا راز ہے، تو معلوم ہوا کہ سلطان اورنگ زیب نے مولانا نظام الدین برہانوی کو اپنی سلطنت کے آغاز میں اس کام پر

معمور کیا تھا، انہوں نے علماء کی ایک ٹیم کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، بادشاہ نے اس کی ترتیب میں دو لاکھ روپے خرچ کئے، (الثقافة الاسلامیہ ص/۱۰)

فتاویٰ عالمگیری ہر مسلمان کی ضرورت

بلاشبہ یہ فقہی انسائیکلو پیڈیا فقہ اسلامی کے مفید ترین مصادر میں ہے، بحث و تحقیق کے راہ رو کے لئے اس سے اعراض کرنا ممکن نہیں، خاص طور سے ان حضرات کے لئے جو قانون اسلامی کے سرچشمہ تک پہنچنا چاہتے ہیں، اور ہندوستان میں فقہی موضوعات پر کام کرنے والوں کو بھی اس کتاب کی شدید ضرورت ہے، اسی طرح یہ کتاب ان ملکوں، اداروں کی ضرورت ہے جو فقہ اسلامی سے نسبت رکھتے ہیں اور دستور اسلامی پر کام کرنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے، پہلا دوسرا ایڈیشن مصر میں ۱۳۱۰ء میں شائع ہوا، مولانا عبدالرحمن بہراوی نے اس کا اہتمام کیا، اس کتاب کا فارسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا، علامہ عبداللہ رومی نے اس کام کو انجام دیا، مولانا عبدالرحمن رومی شاہجہاں کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے، یہ دربار میں ایک کارکن کی حیثیت سے رہے، اس ترجمہ کے علاوہ ان کی متعدد کتابیں ہیں، فارسی زبان میں قاضی القضاۃ شیخ نجم الدین کاکوری (۱۲۲۹ھ) نے کتاب الجنایات سے متعلق حصہ کی شرح لکھی ہے، یہ مفید شرح ہے۔ تیرہویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی۔

کتاب کا اردو ترجمہ علامہ سید امیر علی ملیح آبادی نے کیا ہے، وہ چودہویں صدی کے علماء میں ہیں، ندوہ سے انتظامی تعلق ایک عرصہ تک رہا ہے۔

باوجودیکہ کتاب پر تین سے زائد صدیاں گزر گئیں، لیکن کتاب کی جدت و ندرت میں کوئی فرق نہیں آیا، برابر یہ کتاب فقہ اسلامی کا مرجع رہی ہے، جس طرح

روز اول تھی، ہر آدمی کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اسلامی فقہ کا مطالعہ کرے، اس کی خصوصیات سے واقف ہو، اور اس فن کے دائرہ کو وسیع کرنے میں مصروف رہے۔

آج جبکہ سرکاری و غیر سرکاری سطح پر لوگوں کی دلچسپی فقہ و قانون سے بڑھ رہی ہے اور وہ اسلامی دستور کو لانا چاہتے ہیں اور عالمی سطح پر اس کو استنادی حیثیت دیتے ہیں، تو ہم قارئین کی توجہ اس اہم علمی کام کی طرف مبذول کرتے ہیں، امید ہے کہ انہیں اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

فتاویٰ عالمگیری ہندوستان کا قابل فخر کارنامہ

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان میں ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو (یعنی خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کو) انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم نہ صرف پیچھے نہیں رہا بلکہ ان کے بعض علمی و دینی کام ایسے ہیں جس کی مثال کوئی عرب ملک بھی پیش نہ کر سکا، حکومت کے بیشتر قوانین بھی اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی، اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، اور مطبوعات کے مختصرات کئے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متعدد اہم کتابیں مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ حمادیہ، اور فتاویٰ ابراہیمیہ تالیف ہوئیں، اورنگ زیب عالم گیر نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر کارنامہ اور گزشتہ فتاویٰ کی کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور ممتاز ہے، اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے، اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی

۱۔ ماخوذ از البعث الاسلامی جلد نمبر ۲۹ شماره نمبر ۱ ترجمہ از عربی مولانا محمد فرمان صاحب ندوی نیپالی

ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصاء ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے، اور اس کو گذشتہ فتاویٰ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سید محمد متین ہاشمی^{۲۲} (لاہور) مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا عہد حکومت اسلامی احکام کے نفاذ کے اعتبار سے تمام مغل حکمرانوں کے مقابلے میں ایک مثالی عہد حکومت مانا جاتا ہے۔

(انہوں نے) جب اسلام کے عدالتی اور معاشرتی نظام کو مکمل طور پر نافذ کرنے کا ارادہ کیا تو چونکہ ملک کی مسلم اکثریت حنفی مسلک کی پابند تھی اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ حنفی کے مطابق اس ملک کے تمام نظامات بالخصوص عدالتی نظام کو چلایا جائے لیکن دشواری یہ تھی کہ اسلامی دنیا میں فقہ حنفی کی کوئی ایسی مستند واحد جامع کتاب موجود (اور عام طور پر دستیاب) نہ تھی جس سے ایک عام مسلمان باسانی کسی مفتی بہ مسئلہ کو اخذ کر سکے اور شریعت کے احکام سے بخوبی واقف ہو سکے، علماء اور فقہاء کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف موجود تھا اور ہر عالم کی رائے دلائل کے ساتھ کتابوں میں موجود تھی، جب کسی شخص کو ان مسائل کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا ہوتی تھی تو کسی ایک حتمی رائے پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ فقہ کی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی جائے، نیز یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پاسکتا تھا جب تک کہ کسی شخص کو علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو، اور بہت سی مبسوط کتابیں اسے میسر نہ ہوں، اندازہ لگائیے کہ حکم صحیح اور حق صریح کو معلوم کرنے میں عام اہل علم کو کس قدر دشواریاں

۱۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ۱۳

پیش آتی ہوں گی، ان حالات کے پیش نظر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے فیصلہ کیا کہ ایک ایسی جامع اور مبسوط حنفی فقہ کی کتاب مرتب کرائے جو دیگر کتب فقہ سے بے نیاز کر دے اور فقہ کی تمام جزئیات کو محیط ہونی ضروری ہو، اس کام کی انجام دہی کے لئے عالم گیرؒ نے دہلی کے علاوہ سلطنت مغلیہ کے اطراف و اکناف سے ایسے علماء جمع کئے جنہیں علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اور انہیں حکم دیا کہ مختلف کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع اور مستند کتاب تیار کریں جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ تمام مسائل جمع کئے جائیں تاکہ حکام اور علماء احناف دیگر حنفی کتب فقہ سے مستغنی ہو جائیں۔

فتاویٰ عالمگیری کی چند اہم خصوصیات

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فتاویٰ عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں، بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگزاشتوں سے پاک ہے، جس کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے۔

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے جو رائج اور مفتی بہ یا ظاہر الروایت کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے، تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے۔

(۳) جس مسئلہ کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بہ لفظ نقل ہے تو ”کذا“ لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے، تو ”ہکذا“ سے اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۱۔ مقدمہ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ۵

(۴) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے مأخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اگر اس میں کسی دوسرے کتاب سے نقل کیا گیا تو ”ناقلًا عن فلان“ کر کے اصل مأخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی، اور کم و بیش دو لاکھ روپے اس پر صرف ہوئے۔

فتاویٰ عالمگیری کی تیرہ خصوصیات

مولانا محمد صدر الحسن صاحب ندوی دامت برکاتہم فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱) اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص یا دو چار افراد کی علمی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ علماء دین اور فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا ہے، جن علماء کرام کو اس کی تدوین و تالیف کے لئے منتخب کیا گیا تھا وہ نہ صرف علوم دینیہ اور خاص طور پر علوم فقہ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے بلکہ زہد و تقویٰ، انابت الی اللہ اور خشیت و للہیت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، انہوں نے پوری جانفشانی اور عرق ریزی سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا، نیز علماء کرام نے مسائل میں بحث و تمحیص اور اس کی تشریح و توضیح میں کمال احتیاط اور دیانت کا ثبوت دیا اور چونکہ یہ علماء فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ و ناز علمی کا نتیجہ ہے اس لئے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کے بہت کم امکانات ہیں۔

(۲) اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی عبارت بہت سہل اور رواں ہے، اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بہت ہی عمدہ طریقہ سے حل کیا گیا ہے۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین ص ۱۵

علامہ شبلی نے بجا لکھا ہے کہ:

اس کتاب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جو مسائل تمام کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے ہیں ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا ہے کہ ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔
(۳) اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب ہدایہ کی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے اور ان میں صرف ان ہی مسائل کو لیا گیا ہے جو ظاہر الروایہ (یعنی فقہ حنفی کی وہ چھ معروف کتابیں جو امام محمد کی تصنیف ہیں اور وہ ہیں جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر) سے ثابت ہیں جو مسائل نوادر سے ثابت ہیں ان کو ذکر نہیں کیا ہے، صرف اس صورت میں ذکر کیا ہے جب ظاہر الروایہ میں مسئلہ کا جواب نہ ملا ہو یا نوادر کے جواب میں صراحت ہو کہ اس پر فتویٰ بھی ہے۔

(۴) اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل اور مبسوط کتاب ہے جو ایک دیندار بادشاہ کی ذاتی سعی و محنت سے لکھی گئی ہے کیونکہ بادشاہ خود روزانہ چند صفحات سنتا تھا، اور مسائل پر جہاں ضرورت ہوتی علماء سے بحث کرتا تھا، اس کتاب سے پہلے بھی مختلف حکمرانوں کے دور میں فقہاء نے فتاویٰ ترتیب دیئے اور اس دور کے حکمرانوں کی طرف ان کا انتساب کیا لیکن ان کو وہ شہرت نہ مل سکی جو اس مجموعہ فتاویٰ کو حاصل ہوئی۔

(۵) اس کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقط حصہ عبادات ہی کو اہمیت نہیں دی گئی ہے بلکہ حصہ معاملات بھی متعدد ضروری تفصیلات و جزئیات پر مشتمل ہے۔
(۶) اس کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے مآخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب جس کا حوالہ دیا گیا ہے سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ”ناقلا عن فلان“ کا لفظ لکھ کر اصل مآخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے اور بغیر کسی شدید ضرورت کے اصل کتاب کی عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

- (۷) اس کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب بہت ہی اہم مفید اور اپنے موضوع پر جامع ہے اس میں مسائل کا امکانی حد تک زیادہ احاطہ کیا گیا ہے۔
- (۸) اس کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تدوین و ترتیب میں مسائل کے تکرار اور متن میں حشو و زوائد سے پرہیز کیا گیا ہے۔
- (۹) اس کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایسے مسائل کو درج کرنے سے حتی الامکان پہلو تہی کی گئی ہے جن کا حل نادر اور شاذ تصور کیا گیا ہے۔
- (۱۰) اس کی دسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حوالے مستند کتابوں کی اصل عبارتوں پر مشتمل ہیں اور گویا اس میں فقہ کی تمام قابل ذکر و قیع کتابوں کا عطر آگیا ہے اور اس کے مآخذ و مراجع فقہ میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔
- (۱۱) اس کی گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ ابواب کی تقسیم اور مضامین کی تہذیب اس انداز پر کی گئی ہے کہ مسائل ڈھونڈنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔
- (۱۲) اس کی بارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو یا دو سے زیادہ حل کسی معتبر کتاب میں درج پائے گئے ہیں تو مزید دلائل اور سیر حاصل بحث کے بعد صرف وہی حل درج کیا گیا ہے جسے دیگر فیصلوں پر ترجیح حاصل ہے۔
- (۱۳) اس کی تیرہویں خصوصیت یہ ہے کہ اولاً تو اس میں شاذ اور نادر الوقوع مسائل نہیں لئے گئے ہیں، لیکن اگر شاذ فیصلوں کے اندراج کے بغیر چارہ کار نہ تھا تو اس کو کتاب میں جگہ دینے سے دریغ بھی نہیں کیا گیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی اہمیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب

محدث دہلوی کی نظر میں

جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب فلاحی اپنے مقالہ ”فتاویٰ عالمگیری المسوئی کا بنیادی ماخذ“ میں عنوان ”المسوئی میں فتاویٰ عالمگیری سے استناد“ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

مسوئی میں فتاویٰ عالمگیری کو مصدر و مرجع بنانے کی بنیادی وجہ ہندوستان میں سماجی مسائل کا تنوع اور مقتدر فقہاء کے ذریعہ اس کی تفہیم معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے اس استفادہ کی وجہ سے فتاویٰ عالمگیری کا مقام و مرتبہ اور اس کا تحقیقی معیار و مقام مزید مستحکم ہو جاتا ہے، برصغیر میں ”فتاویٰ غیاثیہ“ (بلبن کے دور ۱۲۶۶ء کی یادگار) پہلا فقہی مجموعہ ہے، اس کے بعد ”فتاویٰ فیروز شاہی“ اور ”فتاویٰ تاتارخانی“ فیروز شاہ تغلق کے عہد کے اجتماعی دواوین فقہ و فتاویٰ ہیں، لیکن حضرت شاہ صاحب نے صرف فتاویٰ عالمگیری ہی کو لائق اعتناء سمجھا، جس کی وجہ سے برصغیر کے دیگر فتاویٰ کے بالمقابل صرف اسی کو نمایاں شان شہرت حاصل ہو سکی ہے۔

مسوئی میں ”فتاویٰ عالمگیری“ کے پچھتر (۷۵) حوالے موجود ہیں، تمام حوالوں کی تفصیلات قاری کے لئے الجھن کا باعث ہوں گی، لہذا یہاں صرف انتیس (۲۹) حوالوں کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے اور ان کا اردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے، باقی حوالوں کے صرف صفحات کی تعیین کر دی گئی ہے۔ (احقر نے اختصار کے پیش نظر بطور مثال کے ۲۹ میں سے چند کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں) (مرتب)

(۱) فقہاء کا اتفاق ہے کہ عمل قلیل سے نماز باطل نہیں ہوگی، عالم گیر یہ میں ہے کہ اگر نمازی اپنے کندھے پر کسی بچے کو بٹھالے یا کوئی کپڑا رکھ لے تو اس کی نماز فاسد

نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی ایسی چیز کندھے پر رکھے جسے اٹھائے رہنے میں اسے مشقت ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(کتاب الصلوٰۃ باب العمل اليسير لا يبطل الصلوٰۃ مسوی، ۱/۱۲۴)

(۲) عالم گیر یہ میں ہے کہ اگر مقتدی امام سے قبل رکوع اور سجدہ سے اپنا سر اٹھالے تو دوبارہ سر جھکا لے، ایسا کرنے سے اس کے دور رکوع اور دو سجدے نہیں ہو جائیں گے۔

(کتاب الصلوٰۃ، باب يجب اتباع الامام في جميع الحالات مسوی، ۱/۱۳۳)

(۳) عالم گیر یہ میں ہے کہ مستحب قرأت سے زیادہ قرأت نہ کرے اور مقتدیوں کو مشقت میں مبتلا نہ کرے، بلکہ تکمیل اور استحباب کے ساتھ تخفیف سے کام لے۔

(کتاب الصلوٰۃ، باب على الامام ان يخفف في الصلوٰۃ، مسوی، ۱/۱۳۴)

(۴) عالم گیر یہ میں ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز اور ادا نماز کے درمیان، اسی طرح چھوٹی ہوئی نمازوں کے درمیان ترتیب ہونی چاہئے، چنانچہ بغیر عذر کے چھوٹی ہوئی نماز کی قضا سے قبل وقت کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (باب يقضى الفائتة قبل الوقتية مسوی، ۱/۱۴۰)

(۵) عالم گیر یہ میں ہے کہ سنتوں کی قصر نہیں ہے، بعض فقہاء نے مسافر کے لئے سنتوں کا ترک کرنا جائز قرار دیا ہے، مسلک مختاریہ ہے کہ نمازی حالت خوف میں سنتیں نہیں پڑھے گا، لیکن امن و سکون کی حالت میں انہیں پڑھے گا۔

(باب قضاء فائتة السفر بيان قضاء فائتة السفر مسوی، ۱/۱۴۵)

(۶) عالم گیر یہ میں ہے کہ مریض اور مسافر سے جمعہ ساقط ہونے کے اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ شدید بارش ہو رہی ہو یا ظالم بادشاہ کے خوف سے وہ روپوش ہوں، البتہ اگر وہ ادا کر لیتے ہیں تو فرض ادا ہو جائے گا۔ (باب لا جمعة على مريض ولا مسافر، فان

صلاها احدهما وقعت عن الفرض وان ام فيها جاز مسوی، ۱/۱۵۶)

(۷) عالم گیر یہ میں ہے کہ سنت اگر اپنے وقت پر ادا نہ کی جاسکے تو اس کی قضا کی

ضرورت نہیں ہے، البتہ فجر کی سنت کا اس سے استثناء ہے کہ اگر فجر کی فرض نماز بھی چھوٹ گئی ہو تو زوال سے پہلے فجر کی فرض اور سنت دونوں کی قضا کر لینی چاہئے، تنہا سنت کی قضا لازم نہیں، البتہ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ تنہا فجر کی سنت کی بھی قضا کر لینی چاہئے۔

(باب قضاء رکعتی الفجر مسوی، ۱/۱۶۵)

(۸) عالم گیر یہ میں ہے کہ مباح وقت میں نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت اگر واجب ہو جائیں تو انہیں مکروہ وقت تک مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ مکروہ وقت میں واجب ہوئے ہوں تو ان اوقات کے اندر ان کی ادائیگی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(باب خمس ساعات یکرہ الصلوۃ فیہا، ۱/۱۹۴)

(۹) عالم گیر یہ میں ہے کہ ابن شہابؒ نے نماز جنازہ میں چھوٹی ہوئی تکبیر کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کیا۔ (باب المسبوق فی صلوۃ الجنائزۃ کیف یفعل، ۱/۲۰۱)

(۱۰) عالم گیر یہ میں ہے کہ مصیبت کا مارا نوحہ اور سینہ کو بی نہیں کرے گا، البتہ رقتِ قلب کے ساتھ پست آواز میں رونا جائز ہے۔ (باب ما یقولہ المصاب، ۱/۲۰۳)

(۱۱) عالم گیر یہ میں ہے کہ قبر پر عمارت تعمیر کرنا یا اس پر بیٹھنا یا سونا یا ٹیک لگانا یا پیشاب پاخانہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (باب القعود علی القبور والتوسد علیہا، ۱/۲۰۵)

(۱۲) عالم گیر یہ میں ہے کہ زکوٰۃ ایسا فرض ہے جس کا انکار کرنے والا قتل کر دیا جائے گا اور وہ کا فر قرار پائے گا۔ (باب قتال من منع الزکوۃ، ۱/۲۰۷)

(۱۳) عالم گیر یہ میں ہے کہ اگر دورانِ اعتکاف شوہر بھول کر بھی دن یا رات میں اپنی بیوی سے ہم بستری کر لے تو خواہ مادہ منویہ باہر آئے یا نہ آئے، اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(باب یحرم علی المعتکف مباشرة المرأة، ۱/۲۶۴)

(۱۴) مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کرنے کا حکم ہے۔

عالم گیر یہ میں ہے کہ وہاں جمع بین الصلوٰتین کے لئے خطبہ، سلطان، جماعت اور احرام وغیرہ شرائط میں سے نہیں ہیں۔ (باب یجمع بین المغرب والعشاء بمزدلفة، ۳۲۲/۱، ۳۳۲)

(۱۵) طواف صدر کے بارے میں عالم گیر یہ میں ہے کہ حاجی جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ کرے تو اس پر طواف وداع واجب ہے، البتہ اہل مکہ اور عمرہ کرنے والے پر طواف صدر واجب نہیں ہے۔ (باب طواف الوداع، ۳۳۱/۱)

(۱) فتاویٰ عالم گیری کو شاہ ولی اللہ نے مصفیٰ میں وارد تقریباً پچتر (۷۵) احادیث و آثار کے ضمن میں مرجع و مصدر کے طور پر استعمال کیا ہے، اور یہی پوری تفصیل مسویٰ کی جلد اول کہلاتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

الف: کتاب الصلوٰہ (ص ۲۲، ۲۰۵) (۳۰) جگہوں پر عالم گیر یہ سے استفادہ ہے۔

ب: کتاب الزکوٰۃ (ص ۲۰۶، ۲۳۰) پانچ (۵) جگہوں پر عالم گیر یہ سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔

ج: کتاب الصیام (ص ۲۳۰، ۲۶۶) نو (۹) مقامات پر عالم گیر یہ کی عبارتیں موجود ہیں۔

د: کتاب الحج (ص ۲۶۶، ۳۳۹) انتیس (۲۹) مسئلوں میں عالم گیر یہ سے فقہی استفادہ کیا گیا ہے۔

ر: کتاب البیوع والمعاملات (ص ۳۴۰، ۴۱۸) دو جگہ عالم گیر یہ کا حوالہ ہے۔

س: کتاب الفرائض (ص ۴۱۸، ۴۵۰) ایک مقام پر عالم گیر یہ کا ذکر موجود ہے۔

۲۔ شاہ ولی اللہ کا عالم اسلام کے دیگر مجامع و آخذ فقہیہ کے مقابلے میں فتاویٰ عالم گیری سے اس کثرت سے استفادہ برصغیر کے فقہی سرمائے کو علمی وقار عطا کرتا ہے۔

فصل متفرقات

فقہ و فتویٰ کے میدان میں تحقیقی کام کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ تغیر پذیر علم فقہ ہے، اس لئے اس کو زمانہ کا ساتھ دینا ہے، ہر موڑ پر رہنمائی کرنی ہے، ہر مسئلہ کا حل کا بتانا اور ہر پیچیدگی کو دور کرنا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ جس زمانہ میں زندگی زیادہ سادہ، مسائل کم اور وسائل محدود تھے اس زمانہ میں فقہ کی تدوین ترتیب اور تبویب کا زیادہ بہتر کام ہوا، بلکہ جو کچھ ہوا اسی دور میں ہوا۔

اس کے برعکس گذشتہ ایک صدی میں جب دنیا کے زمین و آسمان بدل گئے ہیں زمانہ کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کو خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ کی اہمیت کا پورا احساس تھا۔

آج مسلمانوں کی کثیر تعداد بیع و شراء، شرکت و مضاربیت، سودی قرضوں، بینک کے نظام انشورنس، پرسنل لا، خاندانی منصوبہ بندی، حجاب و اختلاط نیز مغربی تمدن اور طرز تعلیم سے پیدا ہونے والے متعدد مسئلوں میں واضح اور متعین طریقہ سے رہنمائی چاہتی ہے۔

آج سوسائٹی کے ہر شریک اور کارخانہ، دفتر، دکان، کھیت اور کھلیان میں کام کرنے والے مسلمان کو زندگی کے ہر مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، لیکن اس طرح کے مسائل میں ان کو واضح اور اطمینان بخش رہنمائی نہیں ملتی، اس کے برخلاف جدید تعلیم یافتہ طبقہ مغرب زدہ اہل قلم اور غیر مسلموں کو یہ کہنے کا اور اس خیال کی آپباری کا پورا موقع ضرور ملتا ہے کہ فقہ اسلامی آج زمانہ کا ساتھ کہاں دے سکتی ہے، ندوۃ العلماء نے آج سے بہت پہلے وقت کی آواز کو سمجھا تھا، آج زمانہ پھر اس کے دروازہ پر دستک دے رہا

ہے اور زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ^۱

بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فقہ سے خصوصی دلچسپی

حضرت مولانا سید محمد الحسنؒ، بانی ندوہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا محمد علی مونگیریؒ کو فقہ سے خصوصی دلچسپی تھی، مسائل کی تحقیق کے لئے اکثر دس دس پندرہ پندرہ روز کے لئے لکھنؤ تشریف لاتے اور مولانا عبدالحی فرنگی محلؒ سے تبادلہ خیال کرتے، مولانا کی فقہی آراء کا اچھا خاصا ذخیرہ خانقاہ رحمانی میں ابھی موجود ہے اور ”کتاب المسئلہ“ کے نام سے موسوم ہے۔.....

مولانا نے گیارہ دفعات پر مشتمل محکمہ افتاء کا ایک باقاعدہ خاکہ پیش کیا جس کے مطالعہ سے مولانا کے تجر علمی وسیع النظری اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے“۔^۲

فقہ کی تدوین جدید اور نئے مسائل میں تحقیق کی ضرورت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”اس دور کی یگانہ شخصیتوں میں ایک مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی ذات بھی ہے، جو جامعیت و توازن کا ایسا مرقع ہے جس کی مثال اس دور میں مشکل سے ملے گی۔

انہوں نے جس طرح فقہ کی تدوین جدید اور جدید مسائل و ضروریات پر نئے سرے سے غور کرنے کی ضرورت بیان کی، ان کی جرأت وہی کر سکتا تھا، جس کا اخلاص، جس کا فہم اور جس کا ورع و تقویٰ ہر شبہ سے بالاتر ہو، اور جس کو خود رسوخ فی العلم... حاصل ہو“۔^۳

۱۔ پیام ندوہ ص ۱۳۲ تا ۱۳۵ ۲۔ پیام ندوہ ص ۱۳۳ ۳۔ تاریخ ندوہ ص ۱۰۰ اج مقدمہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۲۲

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

کسی زمانہ میں بھی کوئی بڑا علمی و تعلیمی ادارہ ان فقہی مسائل سے غیر متعلق نہیں رہ سکتا جو جدید حالات، تمدن، علوم و سائنس کی ترقی اور نئے تنظیمی و اقتصادی نظاموں نے پیدا کر دیئے ہیں، مسلمان بجا طور پر ان دینی مرکزوں سے جن میں اونچے پیمانے پر فقہ و اصول کی تعلیم ہوتی ہے ان مسائل میں رہنمائی کے طالب ہیں اور ایک بڑا طبقہ جو دینی احساس اور خوف خدا رکھتا ہے ان کے بارے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے مضطرب ہے۔

ندوۃ العلماء پر یہ ذمہ داری خاص طور پر اس لئے عائد ہوتی ہے کہ علماء کی اس انجمن کے قیام اور ایک بلند پایہ دارالعلوم کی تاسیس کے اہم مقاصد میں سے نئے مسائل پر غور اور جدید تبدیلیوں کے مطابق احکام و جزئیات کا استنباط اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فرض بھی شامل تھا۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

یہ فقہ کی تدوین جدید کا اہم کام ہے جس کو بلا تاخیر ہونا چاہئے، ندوۃ العلماء کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوگی کہ وہ اپنے دارالعلوم کے اندر یہ کام شروع کرے اور اس کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کرے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے نام سے ایک مجلس بھی قائم ہے جس کے قیام کا محرک مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ ہی ہوا تھا۔^۱

حضرت مولانا سید محمد احسنی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مقام مسرت ہے کہ ایک طویل وقفہ کے بعد اس کام کا آغاز دارالعلوم میں کیا جا چکا ہے، اور ”مجلس تحقیقات شرعیہ“ کے نام سے ایک ادارہ عرصہ سے قائم ہے اور یہ خدمت انجام دے رہا ہے۔^۲

۱۔ مقدمہ معاشرتی مسائل ص ۲۲ پیام ندوہ ص ۱۳۶

ہر زمانہ میں علماء و فقہاء کا وجود ضروری ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں..... (جو) دینی حقائق اور اصول و تعلیمات اور زندگی کے واقعات اور زندگی کے عملی مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر دور میں اسلامی قانون کی برتری کو ثابت کریں،“
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

”پروردگار عالم کی طرف سے ہدایت کردہ احکام کو اختیار کرنا، مسلمان کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضرورت کے مطابق تعداد میں علماء دین ہوتے رہنے چاہئے، جن سے شریعت اسلامی کے احکام معلوم کئے جاتے رہیں جیسا کہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ -

اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ افراد وہ ہوں جنہوں نے احکام شریعت کو صرف معلوم ہی نہ کیا ہو بلکہ ان کو اس طرح سمجھا ہو کہ حسب ضرورت بتاسکیں، ان احکام کو جاننے اور سمجھنے کے لئے ان کو قرآن و حدیث سے گہرا استفادہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، یہی تفقہ فی الدین ہے جس کا قرآن مجید میں حکم ہے:

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ۚ

فقہ کا لفظ کوئی نئی تعبیر یا نئی اصطلاح نہیں ہے، یہ عہد اول سے استعمال میں رہا ہے اور وہ مفہوم ہے بات کو ٹھیک سے سمجھنا، قرآن مجید میں یہ لفظ اسی طرح آیا ہے

۱۔ خطبات مفکر اسلام ص ۹۳ ج ۳ ۲۔ مقدمہ فتاویٰ ندوۃ العلماء ص ۳۴ ج ۳

ارشاد ربانی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.

یعنی ہر جماعت میں کچھ لوگ نکلیں جو دین کے سلسلہ کی بات کو سمجھیں، یعنی دین کا علم صحیح طور پر سمجھیں، لہذا فقہ کے عنوان سے دین کے مسائل کو صحیح طور پر سمجھنا ہوتا ہے۔

فتوے کی حقیقت اور فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ان لوگوں کے عمل کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کر کے احکام دین معلوم کرتے تھے لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کا اہتمام کریں تاکہ دین کو غور سے سمجھیں، لہذا احکام دین کو جاننے کے لئے فقہاء دین کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور وہ جو وضاحت کرتے ہیں اس کو فتویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ کام شروع سے جاری رہا اور اب بھی جاری ہے، اس کے لئے مستقل علمی مراکز اور شعبے ہوتے ہیں، ان شعبوں سے جو فتاویٰ صادر ہوتے ہیں ان کے مجموعے بھی تیار ہوتے ہیں۔

ندوة العلماء کے نزدیک دارالافتاء ودارالقضاء کی اہمیت

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ندوة العلماء کی تحریک صرف اصلاح نصاب تک محدود نہ تھی، اس نے زندگی کے مختلف اجتماعی اور معاشرتی شعبے اپنے دائرہ کار میں رکھے تھے، ان شعبوں میں سرفہرست جو چیز تھی وہ وسیع پیمانہ پر دارالقضاء یا دارالافتاء کا قیام تھا۔

۱۔ مقدمہ فتاویٰ علماء ہند ص ۴۱ ج ۱ طبع مکتبۃ المدینہ ۲۔ مقدمہ فتاویٰ ندوة العلماء ص ۳۲ ج ۲ ص ۳۶ پیام ہند ص ۱۳۶

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بیان فرماتے ہیں:

”جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کی حالت سے بھی واقف ہو، اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہوگا اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو صحیح کیوں کر جواب دے گا، یہاں پر محکمہ افتاء کی ضرورت دوسرے طور پر ثابت ہوتی ہے“۔^۱

حضرت مولانا سید محمد الحسنیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”بہر حال ندوۃ العلماء کی نگرانی میں یہ دارالافتاء قائم ہوا، کانپور کے جلسہ خاص منعقد ۱۴۱۵ھ کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۱۵۶۵ استفتاء کے جواب دیئے گئے، جن میں ۴۷ فتوے نہایت مشکل اور پیچیدہ تھے، اس کے علاوہ ۵۳ مسئلوں کی بطور خود تحقیقات کی گئی“۔^۲

قاضی و مفتی اور دارالافتاء و دارالقضاء کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید..... مسلمانوں کی زندگی کا الہی دستور ہے جس کی پابندی ہر مسلمان کو کرنی ہے، جو لوگ قرآن مجید اور حدیث رسول کو پڑھ سکتے ہیں، ان کو یہ احکام و ہدایات خود معلوم ہو سکتی ہیں اور جو ایسا نہیں کر سکتے وہ قرآن و حدیث کو پڑھنے اور سمجھنے والوں سے سوال کر سکتے ہیں، اسی کو اصطلاح میں استفتاء اور فتویٰ کہتے ہیں۔

اور اسلامی تعلیم کے ذمہ داروں نے شروع سے اس کا اہتمام کیا کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے والوں میں کچھ لوگ اپنے کو اس کام سے خصوصی طور پر وابستہ کریں کہ

۱۔ تاریخ ندوہ ص ۱۳۷ ج ۲۔ پیام ندوہ ص ۱۳۴

ان سے ضرورت مند لوگ اپنے حالات و واقعات کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کر سکیں، یہ علماء مفتی اور قاضی کے نام سے برابر یہ کام انجام دیتے رہے، اسی کے ذریعہ سے مسلمان اپنے دین حق پر عمل کرنے کی سہولت حاصل کرتے رہے اور خاص طور پر اس طرح کے کام کے شعبہ دارالافتاء اور دارالقضاء کے نام سے دینی اداروں میں قائم کئے جاتے رہے ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کی یہ دینی ضرورت پوری ہوتی رہتی ہے۔

ندوة العلماء کیسے واعظین اور مبلغین پسند کرتا ہے

(۱۳۲۲ھ میں) ندوة العلماء کے ناظم صاحب^۱ نے حضرت تھانوی^۲ کی خدمت

میں تحریر فرمایا:

واعظین کی تلاش میں جا بجا اپنے دوستوں کو خطوط لکھے اور آخر کو تمام اخباروں میں اس بات کا اعلان کیا کہ:

”مجھ کو واعظین کی ضرورت ہے جو فرقہ اہل سنت و جماعت و مقلدین

ائمہ اربعہ میں سے ہوں۔“

مگر افسوس ہے کہ مجھ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی، اب تک صرف دو واعظ ملے ہیں اور ان کو دو ضلعوں میں دورہ کرنے کے لئے بھیج دیا ہے اور دستور العمل بنا کر دے دیا ہے کہ اس کے موافق جا بجا گاؤں گاؤں پھریں اور مسلمانوں کو نماز روزہ وغیرہ ضروریات دین کی حفاظت کریں، رسوم قبیلہ سے باز رکھیں، علم کا شوق دلائیں، معاملات فاسدہ سے بچنے کی تلقین کریں اور نذر و نیاز سے محترز رہیں۔

اگر آپ مجھے مدد دیں اور ایسے لوگ جو خوش بیان متدین اور جفاکش ہوں بتائیں تو میں آپ کی اس توجہ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔^۳

۱۔ فتاویٰ ندوة العلماء ج ۱ ص ۱۲۱ امداد الفتاویٰ ص ۲۳۸ ج ۶

باب

اجتہاد کا بیان ☆

اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں ایک مسلمہ حقیقت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہاد کی ضرورت اپنی جگہ پر ہے اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں، جو لوگ علوم شریعت میں بصیرت اور اس پر دسترس رکھتے ہیں وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ کردار ادا کریں اور اصول فقہ جیسے قیمتی خزانہ سے جس کی کوئی نظیر قوموں اور ملتوں میں نہیں ملتی، احکام و مسائل کے استنباط میں فائدہ اٹھائیں، فقہ کا یہ ذخیرہ عرصہ سے صرف تاریخ بن کر رہ گیا ہے، جس سے ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور کے مجتہدین کس طرح احکام و مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، لیکن وقت کی گھڑی کو نہ تو اپنی جگہ روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو معطل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو ماضی کی طرف واپس لوٹایا جاسکتا ہے، جب کہ اسلام ایسی قوموں اور معاشرہ کا دین ہے جو ان مسائل و مشکلات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ ان کا سامنا کرتا ہے۔

تاریخ کے بعض ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کا خاص سبب

مختلف ادوار، ملکوں اور شہروں میں امت نے اجتہاد کو اختیار کیا اور علماء اس پر گامزن رہے، مذاہب اربعہ کی کتابیں ان مثالوں سے بھری پڑی ہیں، لیکن تاریخی حملہ

اجتماعی اجتہاد ص ۲۲

☆ اس باب کے سارے مضامین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے تحریر کردہ ہیں۔

کے بعد مذاہب اربعہ (جدید مفہوم میں ہم اس کو علمی اکیڈمی یا ادارے سے تعبیر کر سکتے ہیں) پر کسی قدر پڑمردگی اور کمزوری چھا گئی، اس لئے کہ تاریخی حمله نے خود اعتمادی اور ذہانت کے سوتوں کو خشک کر دیا تھا، جو قومیں تاریخی قوموں کے ماتحت ہوئیں ان کے اندر مسلح اور غیر مسلح لشکر کے مقابلہ کی جرأت ختم ہو کر رہ گئی، چنانچہ دنیا کے مشرقی حصے کے علماء نے اس خاص وقفہ میں اجتہاد کی سرگرمیوں پر کسی حد تک پابندی لگانے ہی میں عافیت سمجھی، اس لئے کہ انہیں اندیشہ ہونے لگا کہ اگر اجتہاد کی اجازت دیدی گئی تو حکام اور والیان سلطنت کے سیاسی اور انفرادی مصالح کا اس میں خیال رکھا جائے گا اور اس سے نفع کے بجائے نقصان زیادہ ہوگا، اس کا بھی امکان ہے کہ دین میں تحریف کا سبب یہ انفرادی اجتہاد بن جائے یا اس امت کی رفتار میں انحراف اور کجی پیدا ہو جائے، اگرچہ ان علماء کا یہ خیال وقتی طور پر پابندی کے لئے تھا جس کی بنیاد فقہ کے اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ ”جلب منفعت پر دفع ضرر کو ترجیح دی جانی چاہئے“۔

جدید مسائل میں اجتہاد کرنا ہر زمانہ میں فرض کفایہ ہے

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی) مقدمہ مصفیٰ میں لکھتے ہیں:

”اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحب مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر و تدوین میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے۔^۱

اجتہادی سلسلہ کو باقی رکھنے کی ضرورت

ردالمحتار اور فتاویٰ تاتارخانیہ کا نمونہ

کوئی دین، کوئی امت، کوئی تمدن اور کوئی نظام زندگی محض ماضی کی کاوشوں اور کمالات اور تاریخی و علمی سرمایہ پر زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ زمانہ کے نئے نئے مسائل و مشکلات سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، اس کے لئے ہر عہد اور ہر قطعہ زمین پر اگر اجتہاد مطلق نہیں تو کم سے کم قیاس و استنباط، فہم عمیق، کتاب و سنت پر گہری نظر، اصول فقہ و آثار شریعت سے گہری واقفیت اور ان سے فائدہ اٹھانے اور روشنی حاصل کرنے کی صلاحیت کی ضرورت ہے، اور علمائے پیشین نے ہر دور اور ہر ملک و ماحول میں اس سے کام لیا ہے، بے شک حملہ تار کے بعد بعض مصالح کی بنا پر اور بعض اندیشوں کے پیش نظر ”اجتہاد“ میں احتیاط برتی گئی، کہ اس سے غیر اسلامی یا غیر دینی اقتدار کی تائید اور بعض مفاسد کا اندیشہ تھا، لیکن جلد وقت کے تقاضوں، اور بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں علمائے وقت نے رہنمائی کا فرض انجام دیا، جس کا نمونہ علامہ شامی کی ”ردالمحتار“ فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری کے مجموعے ہیں۔ لیکن تمدن، صنعت و تجارت، نفع و انتفاع، درآمد و برآمد، یہاں تک کہ طبی

۱۔ (مقدمہ مصفیٰ) (فارسی) ص ۱۲ مطبوعہ دہلی، تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۱۳ ج ۵ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۵۹)

ترقیات و تجربات کے رواں دواں قافلے کو روکا نہیں جاسکتا، پھر مغربی تمدن اور مغربی اقتدار، اقتصادی منافع کی روز افزوں اہمیت نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے، جو اس سے پہلے علمائے پیشین کے خواب و خیال میں نہ تھے، اس لئے ضرورت تھی کہ ان مسائل و ضروریات اور حقائق کو سامنے رکھ کر شرعی اصولوں، کتاب و سنت کی رہنمائی اور فقہ کے ذخیرہ سے (جس میں عرف یا مصالح مرسلہ کو بھی خاص مقام دیا گیا ہے) نئی نسل کی رہنمائی کا فرض انجام دیا جائے۔

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

اور علوم شرعیہ کے ماہرین کی ذمہ داری

بلاشبہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس دین کی ضروریات میں سے ہے جو زندگی کو آگے بڑھاتا اور اس کی قیادت کرتا ہے، یقیناً تہذیب، صنعت اور تجارت اس حد تک ترقی کر چکی ہیں کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، نئے اسلوب پیدا ہو چکے ہیں، معاہدات اور تجارتی امور ایسے فقہی حکم کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اصولوں اور اصول فقہ پر قائم ہو۔

درحقیقت شرعی مسائل اور عصری ایجادات کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ شرعی علوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ اور اساسی کردار ادا کریں اور اس قیمتی سرمایہ سے استفادہ کریں جو اصول فقہ کے نام سے موسوم ہے جس کی نظیر احکام و مسائل کے استنباط کے میدان میں دوسری کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، یہ واضح حقیقت ہے کہ زمانہ کی دوڑ کو نہ روکا جاسکتا ہے، نہ وہ معطل کیا جاسکتا

اور نہ ہی ماضی کی طرف لوٹایا جاسکتا ہے، جبکہ اسلام آج اقوام اور معاشروں کا دین ہے جنہیں یہ مسائل درپیش ہیں اور جنہیں ان کا ہر روز سامنا ہوتا ہے۔

اجتہاد کیسے کیا جائے؟

اب اگر اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہی ضروری ہے تو ضرور کھولا جائے لیکن اصول فقہ کی کتابوں میں اس کے لئے جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان کا لحاظ ضروری ہے، بہتر تو یہ ہے کہ انفرادی طور پر اجتہاد کے بجائے اجتماعی طور پر اجتہاد کیا جائے، وہ اس طرح کہ شریعت کے ماہرین کی ایک اکیڈمی ہو جس میں کسی مسئلہ پر طویل غور و فکر، بحث و مباحثہ اور تبادلہ آراء اور قرآن و سنت اور فقہ و اصول فقہ کے پورے ذخیرے کے بھرپور جائزے کے بعد فیصلہ کیا جائے تاکہ اس میں کسی سازش یا کسی سیاسی قوت یا استبدادی حکومت کا عکس نہ پڑنے پائے۔

اجتماعی اجتہاد

اب اس دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا لیکن انہیں شرائط کے ساتھ یہ دروازہ کھل سکتا ہے جو اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں اور مستحسن امر یہ ہے کہ (کسی خاص ضرورت کے علاوہ) اجتہاد انفرادی نہ ہو اور یہ جماعتی اور علمی اداروں کا کام ہوتا کہ ماہرین کے ساتھ تبادلہ افکار گہرا غور و خوض، کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی چھان پھٹک ہو، تاکہ فقہ اور اصول فقہ کے گرانقدر سرمایہ سے مکمل استفادہ کیا جاسکے اور اس میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں داخل نہ ہوں اور کسی سیاسی طاقت یا خود مختار حکومت کو رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۱۔ اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء، خطبات علی میاں ص ۳۵۶، ۳۵۷ ج ۶

۲۔ اجتماعی اجتہاد ص ۲۳ ۳ خطبات علی میاں ص ۳۵۸ ج ۶

خدا کے واسطے ایسے اجتہاد کا دروازہ نہ کھولئے!

بعض مبلغین کی باتوں سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جدید تہذیب یافتہ طبقے، یونیورسٹی کے پرجوش طلبہ اور اسلامی ممالک کے بعض حکمرانوں کو اجتہاد کی ضرورت ہے، ہر مسئلہ میں مطلق اجتہاد کی دعوت اور بوسیدگی کے باوجود مغربی اقدار اور عصری طریقے اپنانا گویا ایسا ہے کہ زمانہ اس طرح چل رہا ہے جیسے پہلے دن اسلام آیا تھا، انسانی معاشرہ پیچھے کی طرف الٹی چال چل پڑا ہے اور فقہاء اور مجتہدین نے ماضی میں جو کچھ کیا تھا وہ سب کچھ ضائع ہو گیا، ان کی آراء اور حاصل مطالعہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، کیونکہ اس دور کی طبیعت اور حقیقی زندگی سے اسے کوئی موافقت نہیں رہی، یہ ایسا نقطہ نظر ہے جو سطحیت لا پرواہی، اور اس پروپیگنڈے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ ہے، وقت حاضر کا ادب جس پروپیگنڈے کے ذریعے اس کی ترقی اور زمانے کے حالات کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو نوجوانوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ گویا وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں اور دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی موجود نہیں جو کل کی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہو، یہ حقیقت سے زیادہ تخیلی تصویر ہے اور صورت حال کو منطقی اور حقیقی انداز سے بیان کرنے کے بجائے جذباتی انداز میں مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

اجتہاد کے نام پر فتنے کا دروازہ نہ کھولئے!

جدید طبقہ کے لوگ اجتہاد کی دعوت دیتے ہیں خصوصاً عصری دانشگاہوں کے پرجوش جذباتی نوجوان اور اسلامی ملکوں کے بعض سربراہ، ان کی اس دعوت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہر مسئلہ میں اجتہاد مطلق کی دعوت دے رہے ہیں، وہ مغربی اقدار

وقیم اور عصری پیمانوں کو جوں کا توں لینے پر مصر ہیں، گویا کہ زمانہ پہلے اسلامی دور کی طرح ہو گیا ہے جب اسلام نیا نیا آیا تھا اور انسانی سوسائٹی مکمل طور پر انقلاب سے دوچار ہو گئی تھی اور گذشتہ دور میں فقہاء اور مجتہدین نے جو نتائج نکالے تھے اور علم و تحقیق اور مطالعہ کے بعد جو اصول انہوں نے بنائے تھے وہ اپنی قیمت اور اہمیت کھو چکے ہیں اور اب موجودہ زمانہ اور قوموں کے مزاج سے وہ ہم آہنگ نہیں، اس میں زیادہ تر سطحیت، لاپرواہی، نام نہاد ترقی پسندانہ ادب کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا اثر ہے، اس ادب نے نوجوانوں کے سامنے زمانہ کی ایسی تصویر کھینچی ہے جیسے یہ دور بالکل نیا ہے اور گذشتہ زمانہ سے یہ دور کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ تصویر تخیلات پر مبنی ہے اور اس میں ذرہ برابر حقیقت نہیں، واقعیت اور منطقیت سے زیادہ اس میں جذباتیت سے کام لیا گیا ہے۔

اجتہاد کے نام سے ایسی اندھی تقلید کی راہ ہموار نہ کیجئے

اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں آج کل بہت سی باتیں ہو رہی ہیں، یہاں تک کہ یہ ترقی اور جدت کے لئے نعرہ علامت بن گیا ہے۔

لیکن جو لوگ شرعی مسائل اور آج کی ایجادات کے بارے میں صدائے اجتہاد بلند کر رہے ہیں، یعنی عالم اسلام کے فکری قائدین، سیاسی اور انتظامی رہنما، عرب ممالک میں بیرونی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان، ان کی عربی تہذیب کے لئے ایسی صلاحیت، ذہانت اور قوت اور ارادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، جس میں بہادری، دانائی شامل ہو، تا کہ وہ عربی تہذیب کے طریقوں اس کی خامیوں اور خوبیوں اور معاملات میں خام مال کی

طرح اپنے راستے الگ کریں جن سے ایسی ثقافت وجود میں آئے جو دینی تعلیمات عصری ضرورتوں اور مشرقی مسلم اقوام کی طبیعت کے مطابق ہو جس سے وہ ایسا نظام ترتیب دیں جو اس امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کرے اور ان اقوام کو راہ دکھائے جو مادیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہیں، جب مغرب سے کوئی چیز لیں تو پہلے اس گرد و غبار کو صاف کر لیں جو تاریخِ یورپ کے دورِ تاریک میں اس پر لگ چکی ہو، حالت یہ ہے کہ آج ہم یورپ سے جو کچھ لے رہے ہیں وہ ایک اعصابی کشمکش اور نفسیاتی الجھن کی کیفیت میں لے رہے ہیں، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے ان علوم کی آج ہمیں سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے، انہوں نے اپنے اختصاصی میدانوں میں ایسا کردار ادا نہیں کیا جو دونوں نظاموں کو مربوط کرتا اور تربیتی نظام میں آزاد اسلامی رنگ بھر دیتا، یہی عمل اجتہاد کے مشابہ ہے جو ان کے فکری اور قائدانہ کردار کی تکمیل کرتا، لیکن یہ قدیم (زمانہ) سے انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے قول سے جلد ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور دوسروں سے مطالبہ شروع کر دیتی ہے کہ وہ اس کا فریضہ ادا کریں۔

اجتہاد، قضا و افتاء بلند ترین منصب اور نازک ترین عمل

اور اس کے چند اہم شرائط

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

دینی مناصب و فرائض اگرچہ سب اہم نازک اور عظیم ذمہ داری کے کام ہیں اور ان کے لئے بڑی صلاحیتوں، علم و باخبری اور احساس ذمہ داری کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔

لیکن ان فرائض اور دینی مناصب میں سب سے زیادہ وسیع و دقیق، نازک اور

پیچیدہ کام جس کے لئے صرف علم و ذہانت، مطالعہ کی وسعت، صلاح و تقویٰ، امانت و دیانت اور ذکاوت و ذہانت ہی کی ضرورت نہیں، اس موضوع سے گہری مناسبت، رسوخ فی العلم و رسوخ فی الدین، کتاب و سنت، فقہ و اصول فقہ میں اختصاصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبع سلیم، فہم مستقیم، فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلا کد و کاوش رسائی ہو جاتی ہو اور جس میں اعتدال و توازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو۔

پھر قدیم و جدید علمی ذخیرہ پر اطلاع و واقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت ”عرف“ سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا لحاظ کیا ہے ”تیسیر“ کے حدود کی نگہداشت، اور ”عموم بلوی“ کی صحیح تعریف، اور اس کے لحاظ کے فقہی شرائط سے آگاہی، اپنے زمانہ کے معاملات و عقود، تعلقات کی نوعیت، نو ایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیرات زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت، اور ان کے لحاظ کے حدود سے آگاہی، اور سب سے بڑھ کر مقاصد شریعت، اور حکمت تشریع کا علم بھی ضروری ہے، جو استنباط مسائل کی روح، اور قیاس و استحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان اور پاسبان ہے۔

یہ علم جس کے لئے اتنی صفات و شرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے علم قضا و افتاء ہے۔^۱

جدید مسائل میں اجتہاد کے اہل

اس نازک اور اہم کام کے لئے جس میں ذرا سی غلطی یا بیجا رعایت و آزادی سے بڑے دینی نقصان پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے، اور جواز و اباحت کے حدود سے نکل کر معصیت اور حرمت تک کے ارتکاب کا خطرہ ہے، دین قوی، علم راسخ، نظر عمیق

۱۔ پیش لفظ فتاویٰ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیفہ ص ۳ ج ۱

اور احتیاط بلوغ کی ضرورت تھی، نیز اس کی بھی کہ علوم شرع اور فقہ و اصول فقہ سے سطحی اور ذیلی واقفیت نہ ہو، اور ان علوم میں مفتی اور مجیب اور محقق کا درجہ متطفل (طفیلی) کا نہ ہو، بلکہ اس نے باقاعدہ ماہرین فن سے اس کی تعلیم پائی ہو، اور تعلیم و افتاء کے ماحول میں معتد بہ وقت گزارا ہو، پھر وہ ”چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی“ کی تقلید کے عیب سے پاک ہو وہ کتاب و سنت، فقہ و اصول فقہ کی روشنی میں اور ان کی دی ہوئی گنجائشوں کے مطابق صحیح اور بے لاگ فیصلہ کرے اور اس کو امکانی حد تک عالمانہ و محققانہ انداز میں اس طرح پیش کرے کہ اس سے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور حقیقت پسند افراد کی بھی نہ صرف تشفی ہو بلکہ وہ شریعت کی وسعت و ابدیت کا قائل ہو جائے۔

ہندو پاک کے چند فقہائے مجتہدین

غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برصغیر کے علماء کا کام عرب و عجم کے کسی خطہ کے علماء سے کم نہیں بلکہ بعض اعتبارات سے شاید کچھ نمایاں ہی ہوگا، ایسے علماء اور ان کی تصنیفات کی فہرست بہت طویل ہے، جس کے لئے ایک مقالہ تو کیا پوری کتاب بھی ناکافی ہوگی، اس لئے یہاں چند کا ہی تذکرہ کیا جا رہا ہے:

حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ

(۱) مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جو نہایت کم عمر (صرف ۳۹) سال پانے کے باوجود مختلف علمی، دینی، تاریخی موضوعات پر بالخصوص حدیث و فقہ پر، اتنی کثیر اور قیمتی کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں جن کی نظیر عالم اسلام میں بھی ملنا مشکل ہے، ان میں سعایہ اور حاشیہ ہدایہ کو ممتاز مقام حاصل ہے، علاوہ ازیں مولانا مرحوم کا ”مجموعہ

۱۔ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۲۳

فتاویٰ، جو تین جلدوں میں سینکڑوں بلکہ ہزار سے زیادہ فقہی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، اور عصر حاضر کے بہت سے تازہ اور زندہ مسائل و مشکلات کے عالمانہ و محققانہ حل کا بیش قیمت ذخیرہ ہے، خاصہ کی چیز ہے، جس کی قدر و قیمت کم ہونے کے بجائے برابر بڑھ رہی ہے۔

شارح ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

ہمارے اس عہد میں جن چیدہ اور برگزیدہ علماء کو اس دولت علم و حکمت دین سے بہرہ وافر ملا، جس کو حدیث صحیح میں من یرد اللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین کے عمیق و جامع الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، ان میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ خاص مقام رکھتے ہیں، بہت سے اسباب و امتیازات کی بناء پر جن کی تفصیل حضرت مولانا عاشق الہی صاحب میرٹھی مرحوم کی کتاب ”تذکرۃ الخلیل“ اور عزیز گرامی مولوی سید محمد ثانی مرحوم کی کتاب ”حیات خلیل“ میں بیان کئے گئے ہیں، حضرت کو فقہ میں وہ مقام حاصل تھا جس کو ”فقہ النفس“ اور اس کے حامل و متصف کو ”فقیہ النفس“ کے لفظ سے ہماری قدیم کتابوں میں یاد کیا گیا ہے، اوپر جن نازک شرائط اور اعلیٰ صفات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمارے علم و واقفیت کی حد تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں پائی جاتی تھیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)، مولانا موصوف کے علمی و فقہی کارناموں کے تفصیلی بیان کے لئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مشہور ہے کہ مولانا کی چھوٹی بڑی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں جن میں تفسیر، تصوف، فقہ، شرح حدیث اور حکمت اسلام جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحثیں ملتی ہیں، لیکن یہاں

ان کی صرف فقہی خدمات کا مختصر تذکرہ کرنا ہی اس وقت پیش نظر ہے۔
 مولانا کی مقبول عام کتاب ”بہشتی زیور“ کے علاوہ ان کے فتاویٰ (مسمی بہ امداد الفتاویٰ) کا سات جلدوں پر مشتمل عباداتی، تمدنی، معاشرتی، معاملاتی وغیرہ سوالات کے جوابات کا بیش قیمت اور عظیم ذخیرہ ہے، ایک خاص بات یہ ہے کہ عصر حاضر کے بہت سے پیچیدہ مسائل کا ان میں نہ صرف حل پیش کیا گیا ہے، بلکہ ایسی اصولی ہدایات ملتی ہیں جن سے آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے راہنمائی کا پورا سامان ہے، چنانچہ کسی بھی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے لئے آج کے علماء و فقہاء ان کی تحقیقات و ہدایات سے استفادہ کئے بغیر ایک قدم آگے بڑھنا مشکل سمجھتے ہیں۔

مولانا کی زمانہ شناسی اور حساس و فکر مند طبیعت کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ”الحلیۃ الناجزۃ“ ہے، جس میں دنیا بھر کے معتمد علماء کی آراء جمع کر کے آج کی مظلوم منکوحہ عورت کی متعدد دشواریوں کا آسان حل پیش کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ)، مفتی صاحب کی نظری گہرائی و گہرائی، فتویٰ نویسی میں نپہ تلی عبارت اور فقیہانہ انداز، زمانہ سے باخبری اور مسلمانوں کی مشکلات اور دشواریوں کے حل میں ان کی فکر مندی اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش، یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں مفتی صاحب کا امتیاز اکابر و اصاغر نیز معاصرین سبھی نے تسلیم کیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندیؒ

مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی (م ۱۳۷۷ھ)، مولانا مرحوم تقریباً

نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے اور ان کے قلم سے ہزار ہا فتاویٰ صادر ہوئے، جن میں معتد بہ تعداد عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل کے جوابات پر مشتمل ہے، ان کے فتاویٰ کی دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے اب تک بارہ ضخیم جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں تقریباً نصف تعداد ہی آسکی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندی حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم

میں اس دور کے جن علماء کے رسوخ فی العلم اور تبحر کا معتقد و قائل ہوں ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا خاص مقام ہے، علمی تبحر، فقہ و فتاویٰ پر وسیع اور گہری نظر، قوت تدیس یہ سب چیزیں بھی قابل قدر اور قابل احترام اوصاف و کمالات ہیں، لیکن ایک دوسری چیز ہے جس کی بنا پر کسی فقیہ و مفتی کو ”فقیہ النفس“ کہتے ہیں یہ امتیاز علماء زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی (م ۱۳۹۶ھ)، مفتی صاحب موصوف حکیم الامت کے ہی ساختہ پر داختہ اور ان کے گویا شئی یا مثیل تھے، ان کے مجموعہ فتاویٰ (امداد المفتین) کے علاوہ ”جواہر الفقہ“ کی پانچ جلدیں ان کی ژرف نگاہی، تفقہ، عالم سے باخبری اور مسلمانوں کے مسائل سے نہ صرف واقفیت بلکہ ان کے حل کی فکر مندی کا ثبوت ہیں، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور گتھیوں کے سلجھانے اور ان کے تحقیقی و فقہی و علمی جوابات آسان زبان اور سہل اسلوب میں پیش کرنے میں مفتی صاحب کو امتیاز حاصل تھا، یہی خصوصیات ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد تقی عثمانی میں بھی منتقل ہوئی معلوم ہوتی ہیں • حفظہ اللہ (دور عاہ)۔

۱۔ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۱۱۲ تا ۱۱۰، خطبات مفکر اسلام ص ۲۵۵ ج ۳

جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے ایسے متبحر علماء و فقہاء کا

وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے، لکل فن رجال

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں ایسے متبحر آدمی (علمائے محققین) ہونے چاہئے جو وقت پر مدد کر سکے، یہ نہ کر سکیں تو کم از کم کسی عالم (محقق) کا حوالہ دے سکیں، میں خود یہ کرتا رہتا ہوں، کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسے میں مفتی موجود ہیں ان سے پوچھو ”لکل فن رجال“ ہر فن کا شخص الگ الگ ہے۔
علامہ ابن حزمؒ کے متعلق امام ابن تیمیہؒ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے ”سعی“ میں رمل واضطباع کو لکھ دیا (حالانکہ یہ تو صرف طواف میں ہوتا ہے) وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں التباس ہو گیا۔^۱

سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں، اور نئے مسائل کے حل پیش کر سکیں، اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے، کتاب و سنت کی مدد سے، اصول فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کر سکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور دوسرے علماء جن کے نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔

زمانہ اتنا ترقی کر گیا ہے اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین ہیں کہ حقیقت ضرورت تھی امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی لیکن اگر

۱۔ خطبات علی میاں ج ۱ ص ۲۱۹ خطبات علی میاں ص ۹۱ ج ۱

حجۃ الاسلام امام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ اس وقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لئے، لہذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں کہ وہ تاجر پیدا ہو وہ وسعت نظر اور عمق اور نظر کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو اور وہ کتاب و سنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو، مقاصد شریعت سے آگاہی پیدا ہو، بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کر سکیں۔

اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام، ان کی جزئیات اور فقہی معلومات آسانی میسر ہوں، اور ایسے علماء کرام بھی موجود ہوں جو شرعی علوم میں مہارت رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔

اظہار مسرت کے ساتھ اہل علم اور اہل تحقیق سے چند شکایتیں

(۱) اسلامی علوم، اسلامی فقہ اور عصر حاضر کے اسلامی مسائل کی طرف علمی مدارس و مراکز کے خصوصی توجہ مبذول کرنے پر اپنے رشک و مسرت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں قسیمیست اور مذہبی جاگیر داری کی گنجائش بھی نہیں ہے..... اس کے ساتھ ساتھ ایسے علماء کی ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہی ہے، انہیں اپنے فن میں پوری مہارت و بصیرت اور کامل درجہ کا اختصاص حاصل رہا ہے، ضرورت ہے کہ علماء کی نئی نسل صبر و استقلال اور پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ بحث و تحقیق میں لگے۔

(۲) اس دور کے علماء اور تعلیم یافتہ افراد میں محنت اور جانفشانی کی روح کمزور پڑ گئی جس کی وجہ سے علم کا شوق بھی کم ہو گیا اور اس کے ساتھ جدوجہد کی قدرت کا چشمہ خشک ہو گیا، میرا اشارہ کسی خاص مدرسے یا علمی مرکز کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عام

۱۔ خطبات علی میاں ص ۹۱ ج ۲۔ اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء، خطبات علی میاں ص ۳۵۰ ج ۲

بات ہے جسے تقریباً ہر جگہ محسوس کیا جاسکتا ہے، حصولِ علم و کمال کے لئے وہ مکمل یکسوئی اور جان توڑ کوشش جو ماضی کے علماء کا طرہ امتیاز تھا، دورِ حاضر میں اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا، ماضی میں ایک تنہا عالم متعدد اکیڈمیوں کا کام انجام دیتا تھا، اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ بڑی بڑی اکیڈمیاں اور علمی و تحقیقی ادارے قائم ہیں، لیکن اس کے باوجود نتائج اور کارکردگی تشفی بخش نہیں ہے اور کوئی اہم اور نئی تحقیق کم ہی سامنے آتی ہے۔ اس وقت ہمیں شدید ضرورت ہے کہ ثقافتی معیار بلند ہو، رسوخ فی العلم اور فقہی بصیرت میں ترقی ہو، علم میں ایک طرف محنت ہے، پھر اس کا ثمرہ ہے، پہلے پیاس ہے پھر آسودگی ہے۔

(۳) اس دور کا ایک المیہ یہ ہے کہ اہل علم اپنی محنت کا ثمرہ نقد وصول کرنا چاہتے ہیں اور ان کی زیادہ توجہ شہرت و ناموری عہدہ کی ترقی اور زیادہ معاوضہ حاصل کرنے پر مرکوز رہتی ہے اور ان کی طاقت و صلاحیت کا حصہ ان مقاصد کے حصول کی راہ میں صرف ہوتا ہے، گویا مادی منفعت ہی ان کی نگاہ میں اصل معیار ہے۔

(۴) دوسری چیز یہ ہے کہ ثقافتی سرگرمیوں کی طرف نظر اور توجہ سرسری نہیں ہونی چاہئے کہ ہم غور و فکر کے لئے ایک موضوع کا انتخاب کریں، پھر فوراً ہی جگالی کر کے اسے باہر ڈال دیں، جیسا کہ جانور جگالی کیا کرتا ہے، پس ایسا نہ ہو کہ ہمیں نہ موضوع کا زیادہ اہتمام و التزام ہو اور نہ اس سے کوئی گہرا ربط و تعلق ہو کہ جب اس موضوع پر بحث ختم ہو جائے، تو ہم ہاتھ جھاڑ کر ایک ہو جائیں۔

اہل علم و اہل تحقیق کو چند اہم نصیحتیں

تقویٰ و تدبیر کی ضرورت

بحث و تحقیق کے ساتھ مناسب مقدار میں تقویٰ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ

۱۔ اجتہاد اور فقہی بحث و تحقیق ص ۷

مسئلہ اسلامی علوم کا ہے، جس کا دین سے گہرا ربط ہے، لہذا ان دینی اصول کو بحث و تحقیق کے سامنے اس طرح پیش نہیں کر سکتے جس طرح کسی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے پیش کیا جاتا ہے، جی ہاں! انصاف کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ایسا ہو۔

ہماری بحث و تحقیق نقد و اعتراض اور تمسخر و استہزاء سے خالی ہو

اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بحث نقد و اعتراض، استہزاء اور تمسخر اور تحقیر و تذلیل سے خالی ہو جن حضرات کو بحث و تحقیق کی ذمہ داریوں کا شعور اور افکار و نظریات کی تبدیلی کا احساس ہے انہیں چاہئے کہ وہ اپنی آراء اور احکام کو قطعی اور یقینی شکل میں پیش نہ کریں اور اپنے کسی نظریے کی توجیہ اس انداز میں نہ کریں کہ گویا وہ وہ اس موضوع پر حرف آخر ہو اور مزید غور و فکر کی اس میں مطلق کوئی گنجائش موجود نہ ہو، بلکہ ان کا موقف اور پیش کرنے کا انداز ایسا ہو، جیسے کوئی کسی نتیجے تک پہنچا اور اس وقت ایسا محسوس ہو رہا ہو کہ وہ صحیح ہے۔

غور و فکر اور بحث مباحثے میں میں صبر و حلم سے کام لیں

ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم غور و فکر اور بحث و مباحثے میں صبر و تحمل کا اصول اختیار کریں اور علم اور ان حاملین کا اعتراف کرنا سیکھیں، جنہوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر طاقتیں اور صلاحیتیں اس راہ میں صرف کر دی ہیں۔

اپنی رائے اور تحقیق کے اظہار میں عجلت و اصرار نہ کریں

کچھ لوگ اپنی رائے کے اظہار میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں، پھر فوراً ہی اس سے رجوع بھی کر لیتے ہیں..... اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری

کر رہے ہیں، لیکن پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا، جو ان کے فتوؤں کی اتباع کر کے اور غلطی پر عمل کر کے اس دنیا سے چل بسے؟ اور مسئلہ اس وقت زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، جب ان آراء کا تعلق دین اور عقیدے سے ہو، لہذا ضروری ہے کہ رائے کے اظہار میں صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے، خاص طور پر جب کہ مسئلہ کا تعلق عالم دین سے ہو، تو ہمیں چاہئے کہ تھوڑی دیر سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور و فکر کریں اور اس فن کے ماہرین کے سامنے اسے پیش کریں، ان کے فیصلوں کا انتظار کریں، ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی فتویٰ کی اشاعت ہو اور اسے منظر عام پر لایا جائے۔

ایسی چیزوں اور ایسی تحقیقات کے اظہار سے پرہیز کریں

جو موجب انتشار و فتنہ ہوں

یہ دور انتشار ہے اور انسان سست و کاہل واقع ہوا ہے، فطری طور پر لا پرواہی کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے، اس زمانہ کی تہذیب، علمی ترقی کی تیز رفتاری اور معیار زندگی میں مسلسل ترقی، یہ وہ چیزیں ہیں، جس نے انسان کو آرام و آسائش کا دلدادہ اور اختلاف و انتشار کا جلد شکار ہو جانے والا بنا دیا ہے، جب یہ صورت حال ہے، تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایسی چیزوں کے اظہار سے باز رہیں، جو لوگوں میں فکری اضطراب پیدا کر سکتی ہوں یا اس میں اضافے کا سبب بن سکتی ہوں۔^۱

ان علماء محققین کی تصانیف سے خاص طور سے فائدہ اٹھائیے

ہمیں اس عالمی کتب خانے کا وسیع تاریخی جائزہ لینا ہوگا جو اسلام کی طویل تاریخ اور عالم اسلام کی وسیع مساحت پر پھیلی ہوئی ہے، اگر یہ کام پوری امانت و دیانت،

۱۔ اجتہاد اور فقہی بحث و تحقیق، خطبہ بمناسبت دوسرے فقہی سیمینار، دہلی ص ۶، ۷، ۹

صبر و تحمل، اور غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ انجام دیا جائے تو علمی و دینی ذہانت و عبقریت اور قانون سازی کی بے مثال صلاحیت کا اندازہ ہوگا، جو سب کے لئے باعث حیرت و تعجب ہیں اور یہ چیزیں اس اجتہاد اور فقہی بحث و تحقیق کے حق میں بھی مفید ہوگی جس کی ضرورت اس دور اور وسیع اسلامی معاشرے کو ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس برصغیر کے اندر ماضی قریب میں افتاء اور فقہی تحقیقات کا جو کام ہوا ہے، اس پر ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے، اور جہاں تک علمی و فقہی تصنیفات و فتاویٰ کے مجموعوں اور حدیث و فقہ کی بحثوں کا تعلق ہے، تو اس مختصر سے مقالہ میں ان کا نام شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

اعلاء السنن، امداد الفتاویٰ، الحلیۃ الناجزۃ، جواہر الفقہ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ کتب فقہ کی اہمیت

یہاں پر میں فقہ الحدیث پر علامہ ظفر احمد عثمانی کی تالیف اعلاء السنن ☆ کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا، جو انہوں نے مربی جلیل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر تالیف کی ہے، یہ عظیم تصنیفی کام اکیس ضخیم جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔ اسی طرح معاشرتی و ازدواجی زندگی سے متعلق بعض پیچیدہ مسائل کا شرعی و فقہی حل تلاش کرنے میں بھی کچھ مفید اور قابل قدر علمی کاوشیں ہوئی ہیں، مثال کے طور پر مربی کبیر، عالم جلیل حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ”الحلیۃ الناجزۃ للحلیۃ العاجزۃ“ اور ”بوادر النوادر“ کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان کی

۱۔ ☆ اس کتاب کا تعارف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے آگے آ رہا ہے۔

”جواہر الفقہ“ ۱ تین جلدوں میں اور ان کی ”احکام القرآن“ ☆ اور شیخ عظیم مولانا عبدالشکور لکھنوی کی ”علم الفقہ“ اور اس کے علاوہ فتاویٰ کے بہت سے مجموعے ہیں، مثلاً مفتی عزیز الرحمن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کی ”عزیز الفتاویٰ“ بارہ جلدوں میں اور حضرت تھانویؒ کی ”امداد الفتاویٰ“ چھ ضخیم جلدوں میں اور مفتی عبدالرحیم لاچپوری کی ”فتاویٰ رحیمیہ“ چھ جلدوں میں۔

☆ اس کتاب کا تعارف علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے آگے آ رہا ہے۔

۱۔ اجتہاد اور فقہی بحث و تحقیق، خطبہ بمناسبت دوسرا فقہی سیمینار نئی دہلی ص ۱۲ تا ۱۹

جواہر الفقہ مکمل اب سات جلدوں میں پاکستان اور انڈیا (دیوبند) میں عمدہ طباعت سے شائع ہو چکی ہے۔

باب

تقلید کا بیان

گمراہی سے بچنے کے لئے مجتہدین کی طرف رجوع
اور ان کی تقلید ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نے غلطی، لغزش اور گمراہی
و کج روی سے بچنے کے لئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کرنا
ضروری سمجھا ہے جو اپنے فن اور موضوع میں خصوصی مہارت اور اس میں تفوق و امتیاز اور
مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں، علوم و فنون و بحث و تحقیق کی قدیم و جدید تاریخ اس
طرح کی بکثرت مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

روشن اور تابناک ناقابل انکار حقیقت

احکام شرعیہ میں کالمین سے رجوع اور ان کی تقلید خیر القرون میں

اس سے بھی زیادہ روشن، تابناک اور بدیہی حقیقت یہ ہے کہ دین پر عمل
کرنے، نت نئے پیش آنے والے مسائل کے بارہ میں شریعت کے احکام معلوم کرنے
کے لئے ایسے اصحابِ اختصاص اور ماہرینِ فن سے رجوع کیا جائے جو اپنے فن پر نہ

۱۔ کاروان زندگی ج ۷ ص ۱۵

صرف کامل دست گاہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تحقیقات و معلومات میں گہرائی کے ساتھ گیرائی اور وسعت و تبحر علمی بھی ہو، اس کے ساتھ وہ لوگوں کو دینی مسائل و احکام بتانے میں اجر و ثواب کے حریص اور ایمان و احتساب کی روح سے سرشار ہوں، دیانت کے ساتھ اپنے فرائض اور علمی امانت کو دوسروں تک پہنچانے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا غیر معمولی شعور اور حساب و کتاب کا خوف ہو۔

اسی بنا پر اسلامی تاریخ کے اولین دور، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے عہد میں فقہی احکام مسائل معلوم کرنے کے لئے ایسے حضرات سے رجوع کرنا عام بات تھی جو علوم دینیہ میں رسوخ و تبحر رکھتے تھے، اس کے ساتھ انفرادی و اجتماعی مسائل و مشکلات کے حل کرنے میں، شریعت کے احکام بتانے اور قرآن و سنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کو وہ حضرات باعث اجر و ثواب اور تقرب الہی کا ذریعہ تصور کرتے اور اس امانت کے ادائیگی اپنے اوپر ایسی ذمہ داری سمجھتے تھے جس کے بارے میں قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے۔

تقلید شخصی عدل و انصاف کی میزان اور تاریخ کی روشنی میں

اسلامی تاریخ کے اولین دور میں کسی خاص اور متعین فقہی مکتب فکر یا کسی مخصوص مسلک پر عمل پیرا فرد سے علمی و فقہی معاملات میں رجوع کرنا ضروری نہیں تھا اور نہ اس کا التزام اور کوئی پابندی تھی، بلکہ سائل کسی شخص سے بھی دینی و فقہی احکام و مسائل معلوم کر لیتا تھا، اس لئے کہ اس دور کی یہی خصوصیت تھی، پھر ایمان و احتساب کی روح عام طور پر موجود تھی اور صحیح بات معلوم کرنے اور حق تک رسائی کا جذبہ اس عہد کے تمام لوگوں میں پایا جاتا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ علمی ماحول عام تھا اور ہر جگہ بحث و تحقیق کے حلقے قائم تھے۔

۱۔ کاروان زندگی ص ۱۶ ج ۷ ۲۔ کاروان زندگی ص ۱۶ ج ۷

تقلید شخصی کی ابتداء اور اس کے اسباب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے، کچھ ان کے دینی و اخلاقی معیار کے پست ہو جانے کی وجہ سے، کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت و حفاظت سمجھی گئی کہ پیشروائے مجتہدین اور مذاہب مدونہ کی تقلید اختیار کر لی جائے اور معاصرین کے بجائے متقدمین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کی وہ پابندی نہیں پیدا ہوئی تھی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے، رفتہ رفتہ تعین و التزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی تشریحی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباع ہوئی سے بچانے کے لئے نیز عملی سہولت کی بنا پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہو گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تا تاری یورش کے بعد عالم اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں، اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب و سنت کے مطابق ہونا ثابت ہے اور جو بحث و مباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں اور ان کی تدوین مکمل ہو چکی ہے ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی تھیں، اس لئے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اس بات کو سمجھنے کے لئے ضمیمہ میں مندرج ص.... مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا مضمون ملاحظہ کیجئے

تقلید شخصی کی حیثیت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں

لیکن اس تقلید کی حیثیت بھی صرف یہ تھی کہ تقلید کرنے والا اس امام پر مذہب معین کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا تھا کہ وہ دراصل کتاب و سنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر رہا ہے، امام اس کے اور پیغمبر کے درمیان اسی طرح واسطہ ہے جیسے کوئی معاصر استاد، اس کی حیثیت محض ترجمان یا شارح کی ہے، مطاع یا شارح کی نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے الفاظ ہیں:

لا یبدین إلا بقوله النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یعتقد حلالا إلا ما أحله اللہ ورسوله ولا حراما إلا ما حرمہ اللہ ورسوله لكن لما لم یکن له علم بما قاله النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من کلامه ولا بطریق الاستنباط من کلامه اتبع عالما راشدا علیٰ أنه مصیب فیما یقول ویفتی ظاهرا متبع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان خالف ما یظنہ أقلع من ساعتہ من غیر جدال ولا إصرار۔

(ترجمہ) وہ مقلد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پابند ہے، حلال اسی کو سمجھتا ہے جس کو اللہ و رسول حلال کہیں اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ و رسول حرام فرمائیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اس کو براہ راست علم نہیں اور آپ سے جو مختلف حدیثیں روایت کی جاتی ہیں ان میں تطبیق کی اس کو لیاقت نہیں، اور نہ آپ کے کلام سے مسئلہ ثابت کرنے کا اس کو ملکہ ہے،

۱۔ حجة البالغہ حصہ اول ص ۱۵۵ مطبوعہ رشیدیہ دہلی باب حکایۃ الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدها

اس لئے اس نے ایک صاحب رشد عالم کی اس بنا پر پیروی کی ہے کہ وہ ظاہری طور پر صحیح فتویٰ دے رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے، اگر اس کے اس گمان کے خلاف نکلے گا تو وہ اسی وقت بغیر کسی بحث و اصرار کے اس فتویٰ اور مذہب کی پیروی سے ہٹ جائے گا (اور حدیث پر عمل کرے گا)۔

تقلید شخصی کی افادیت

تقلید عوام کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے۔

تقلید شخصی کا محرک و مرجع اور اس کی واقعی ضرورت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: پھر وہ دور آیا جب حالات کے تقاضوں کی رعایت اور محنت و وقت بچانے کے خاطر حق و صواب کی جستجو اور تلاش کے لئے لوگ ایسے فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنے لگے جو اس کی بہترین نمائندگی و ترجمانی کرے اور جس کے علم و تحقیق، امانت و دیانت اور تقویٰ پر اعتماد و اعتبار کیا جاسکے، چنانچہ کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنا ایک عام اور قابل تقلید طریقہ بن گیا، جو پسندیدہ بھی تھا اور سہل الحصول بھی، اس علمی رجوع میں نہ تو کوئی برائی تھی اور نہ رجوع کرنے والے کو شرک و بدعت کا مرتکب اور اجماع امت کا مخالف قرار دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم اسلام میں چار فقہی

۱۔ تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث ص ۲۸ تا تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۰۵ ج ۵

مکاتب فکر میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرنا عام بات ہوگئی، اس رجوع نے نہ تو لوگوں کے اندر غلط رد عمل پیدا کیا اور نہ اس طرز عمل کو کسی بدعت یا گمراہی کا نام دیا گیا، اس لئے کہ اصحاب اختصاص سے شرعی معاملات میں رجوع اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل درآمد میں بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ مسائل و تحقیقات کتاب و سنت کے مطابق ہوں کہ یہی دونوں سرچشمہ ہدایت ہیں۔

تقلید شخصی فطری امر ہے، ابن تیمیہ کا فرمان

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

آگے چل کر وہ فرماتے ہیں کہ کسی خاص مذہب یا فقہ پر کسی شخص کا نشوونما ہونا اور کسی خاص طریقہ کے مطابق عبادات و احکام شریعت کو بجالانا ایک قدرتی امر ہے، اور ایسا قدیم زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے، لیکن مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے کو اصلاً خدا و رسول کا مطیع و فرمانبردار سمجھے، اور اس کے لئے تیار رہے کہ جو کچھ کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے گا وہ بلا تردد اس کی پیروی اختیار کر لے گا۔

تقلید شخصی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کا منصفانہ کلام تقلید شخصی کرنے میں لوگوں کی مجبوری اور معذوری ہے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب غایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں، جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا

مقلد تو ضرور ہے، لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبوی ہے، لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہنچ جائے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً وہ عامی شخص ہے یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت و فرصت نہیں یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں، جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلائے یا ان سے مسئلہ استنباط کرے۔

کسی مجتہد کی تقلید قابل اعتراض نہیں

تقلید کی اجازت نہ دینا تکلیف مالا یطاق اور بداہت کا انکار ہے

ظاہر ہے کہ اس طرح کی تقلید پر (جو محض سنت کی پیروی کی ایک عملی شکل ہے) کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، ایسے عام آدمی کو اجتہاد یا استنباط مسائل کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق اور بداہت کا انکار ہے، اس طرح کی تقلید یا کسی غیر معین یا معین فقیہ یا مجتہد کی طرف رجوع کا دستور ہر زمانہ میں رہا ہے، یہ رجوع خواہ احياناً ہو خواہ دائمی، قابل اعتراض نہیں۔

عام لوگوں کے لئے تقلید ائمہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں

شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی ایسے مقلد کے بارے میں کیا انصاف کی بات کہتے ہیں، جو درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ارادہ رکھتا ہو لیکن وہ کتاب و سنت سے ثابت شدہ شرعی حکم تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ ایک عام شخص ہے یا وہ دوسرے امور میں مشغول ہے یا (قرآنی) نصوص تک رہنمائی کرنے والے وسائل اسے میسر نہیں یا وہ ان نصوص سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔

۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۰۸ ج ۵، اجتہاد کی حاجت و ضرورت ص ۱۵ ۲۔ (تدوین فقہ ص ۳۰)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ابن حزم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:
 ”تقلید حرام ہے، کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ دلیل کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کا قول اختیار کرے۔“
 اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ:

ابن حزم کے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی اور کا قول دین نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ امور کو ہی حلال اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ امور کو ہی حرام جانو۔

لیکن جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ناواقف ہو، احادیث کے اختلافات میں مطابقت پیدا نہ کر پائے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مسائل کا استنباط کر سکے تو وہ ہدایت یافتہ عالم کی پیروی کرے، کیونکہ وہ عالم جو کچھ کہتا اور جو فتویٰ دیتا ہے اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے، اگر اس کے خیال سے اختلاف ہو تو اس سے جھگڑائے بغیر اور اپنی رائے پر اصرار کئے بغیر بات ختم کر دے کیونکہ اس حقیقت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے کہ فتویٰ پوچھنا اور فتویٰ دینا مسلمانوں کے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے رائج رہا ہے۔

کسی متعین امام کی تقلید میں بھی ہم رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں

اگر مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

سنت کا عالم ہے، اس کا قول یا تو کتاب و سنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقے سے استنباط کیا گیا ہوگا یا قرآن سے جانا گیا کہ ہماری مطلوبہ مشکل کا حل اس طرح سے ہے اس علم سے ایسے مجتہد کا دل مطمئن ہو گیا اور اس نے ان امور کو جن کے بارے میں کوئی نص نہیں ایسے امور پر قیاس کیا جن کے بارے میں کوئی نص موجود ہے گویا وہ کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبھی یہ علت موجود ہو تو اس کا حکم یوں ہوگا، قیاس کرنے والا اس عموم میں اضافہ کر سکتا ہے اور یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا لیکن مجتہد کا طریق کار ظنی ہوگا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے۔

تقلید شخصی کی ضرورت آج کے دور میں اور زیادہ ہو گئی

مذہب معین کی تقلید سے آزادی کا نقصان

دینی و شرعی احکام معلوم کرنے میں کسی خاص فقہی مکتب فکر (یعنی مذہب معین اور تقلید شخصی) کی طرف رجوع اور اس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد و اعتبار کرنے کی (جو کتاب و سنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی ہے کہ یہ زمانہ خاص طور سے فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے، ہر قسم کے اخلاقی قید و بند سے گلو خلاصی و آزادی حاصل کرنے، نفس کی خواہشات و ترغیبات اور معاشرہ و زمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں اور معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں شرعی حدود و قیود اور دینی و اخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔

۱۔ حوالہ مذکور ص ۳۵۵ ۲۔ کاروان زندگی ص ۷۷

باب ۵

مذہب اربعہ اور تقلید ائمہ کے خلاف افسوسناک سازش

اور خطرناک مہم

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ادھر کچھ دنوں سے (خاص طور پر ہندوستان میں) مذاہب اربعہ (جن میں اپنی اکثریت اور اشاعت کی وجہ سے مذہب حنفی ہی خاص طور پر نشانہ ہے) اور تقلید ائمہ کے خلاف ایک طاقت ور اور عمومی مہم جاری ہے، جو ان مذاہب اور تقلید ائمہ کو بدعت اور تعلیمات اسلام کے خلاف بتاتی ہے، یہ مہم کچھ عرصہ سے اتنی تیز ہو گئی ہے کہ گویا وہ ایک بڑی ”ضلالت“ اور ”بدعت“ کے خلاف محاذ آرائی ہے اور اس وقت وہ دین صحیح کی طرف دعوت کے مرادف ہے۔

کبار علماء کی تشویش اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کا حکیمانہ طرز عمل اور دانشمندانہ اقدام

چند دنوں سے مصنف کے پاس ہندوستان کے مختلف اطراف و نواح سے خطوط آئے کہ یہ مہم بہت تیز ہو گئی ہے اور اس سے خود مسلمانوں میں (جو دینی اور تہذیبی بنیاد پر سازشوں، حملوں اور کردار کشی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں) ایک انتشار خانہ جنگ کی سی نوبت آرہی ہے۔

۱۔ کاروان زندگی ص ۱۲ ج ۷

جنوبی ہند، گجرات اور کئی ریاستوں اضلاع اور قصبوں سے ایسے خطوط آئے ہیں، فاضل گرامی مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاج پوری نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی، خود تقلید ائمہ اور مذاہب اربعہ کے جواز و صحت پر انہوں نے اردو میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا ایک عالم نے عربی میں ترجمہ کروایا اور راقم سے اس پر مقدمہ لکھوایا، ان شکایتی و احتجاجی خطوط کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس مہم کے خلاف کوئی مخالفانہ و مقابلانہ مہم شروع کرنے کے بجائے (جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار پیدا ہونے کا خوف ہے) حضرات علمائے حدیث کو ایک داعیانہ و مخلصانہ اور برادرانہ خط لکھے جس میں ان کو ”جہاد فی غیر جہاد و نفال فی غیر عدو“ سے اجتناب کرنے کی دعوت دے اور مخلصانہ مشورہ دے اور وقت کی نزاکت اور معنوی نسل کشی کی جو مہم اس وقت ملک میں چل رہی ہے اس سے آگاہ کرے، اور یہ مشورہ دے کہ یہ وقت توجہ اور توانائی حقیقی دشمن اور سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے پر صرف کرنے کا ہے۔ اس لئے اس نے احتیاطاً عربی میں ایک مراسلہ ترتیب دیا اور دس ممتاز و نامور سلفی علماء کی خدمت میں بھیجا۔

ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید میں کوئی مضائقہ نہیں

ادارة البحوث العلمیہ والافتاء (سعودیہ) کا فتویٰ

اس مراسلہ کے جواب میں سعودی عرب کے سب سے نامور عالم و دینی شخصیت علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز صدر ”ادارة البحوث العلمیہ والافتاء“ و سکرٹری ”هیئة كبار العلماء“ کا گرامی نامہ آیا، جس میں انہوں نے لکھا کہ میں آپ

۱۔ کاروان زندگی ص ۱۳، ۱۸ ج ۷، وقت کا تقاضا کیا ہے خطبات علی میاں ص ۲۳۲ ج ۴

کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ ”البحوث العلمیہ والافتاء“ کی مستقل کمیٹی کی طرف سے ۱۷ شوال ۱۴۰۴ھ میں اور ”المجمع الفقہی“ رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ میں یہ فتویٰ صادر ہوا کہ:

”ائمہ مذاہب اربعہ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) فضلاء اہل علم، تبعین رسول اور احکام شرعیہ میں اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں ان کا مقلد کافر نہیں، اس لئے کہ اگر انسان احکام شرعیہ کی براہ راست معرفت نہیں رکھتا اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“

پھر اس مراسلہ میں ائمہ اربعہ کی واضح الفاظ میں تعریف و اعتراف کیا گیا ہے اور ان کی خدمات و مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

(اس مراسلہ پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور متعدد علماء و مفتیوں کے دستخط ہیں، یہ جوابات اور مراسلات مصنف کتاب کے پاس محفوظ ہیں، اس عربی مکتوب کا ترجمہ عزیز گرامی مولوی نذر الحفیظ ندوی از ہری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے)۔

ائمہ اربعہ کی تقلید کے خلاف مہم چلا کر انتشار نہ پیدا کیا جائے
رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی متفقہ تجویز اور قرارداد

خود رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنی مجلس ”المجمع العلمی الاسلامی“ کے ایک اجلاس میں جو ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ (۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں منعقد ہوئی تھی اس مسئلہ اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ:

۱۔ کاروان زندگی ص ۱۴ ج ۷ خطبات علی میاں ص ۲۳۳ ج ۴

”معتبر اور معمول بہ مذاہب فقہی اور تقلید ائمہ اربعہ کے خلاف مہم چلا کر عالم اسلام میں انتشار نہ پیدا کیا جائے“

(ملاحظہ ہو القرار التاسع بشأن موضوع الخلاف الفقہی بین المذاهب والتعصب المذہبی من بعض اتباعہا)

سعودی عرب کے نامور علماء کے مکتوب گرامی کے اقتباسات

ائمہ مجتہدین کی تقلید کی ضرورت اس دور میں اور زیادہ بڑھ گئی

دینی و شرعی احکام معلوم کرنے کے لئے کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع اور اس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد و اعتبار کرنے کی (جو کتاب و سنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی کہ یہ زمانہ خاص طور سے فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے ہر قسم کے اخلاقی قید و بند سے گلو خلاصی و آزادی حاصل کرنے نفس کی خواہشات و ترغیبات اور معاشرہ و زمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں میں اور معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں شرعی حدود و قیود اور دینی و اخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔^۱

سعودی عرب علماء کا افسوس اور اظہارِ رنج و غم

رنج و افسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک پرخطر چیلنجوں اور آزمائشوں کے دور میں برصغیر ہندوستان جیسے ملک میں ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب فکر کے خلاف زبردست یورش کا آغاز کر دیا گیا ہے، اس میں خاص طور سے احناف کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جن کی

۱۔ حاشیہ کاروان زندگی ص ۱۳ ج ۲ خطبات علی میاں ۲۳۵ ج ۴، کاروان زندگی ص ۱۷ ج ۷

اس ملک میں اکثریت ہے، اس طرح کی یورش کا نہ تو یہ وقت ہے اور نہ ہندوستان اس کی مناسب جگہ ہے، اس طرح کی سرگرمیوں سے بجز اختلافات میں اضافہ اور ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہیں، جب کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت اتحاد و اتفاق کی ہے اس لئے کہ انہیں بت پرستانہ اور مشرکانہ اور لادینی طاقتوں اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب و ثقافت کے چیلنج کا سامنا ہے۔

مذاہب فقہیہ کے خلاف کوئی تحریک یا جماعت

نہ قائم کی جائے اور نہ ان کو ہدف ملامت بنایا جائے

یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ مذاہب فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آ رہا ہے، جن میں احکام کے استنباط و استخراج کی بنیاد کتاب و سنت ہے، ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے، اس لئے کہ یہ بے موقع صلاحیتوں کا ضائع کرنا اور دوست سے برسرِ پیکار ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تقابلی مطالعہ نہ کیا جائے، اور مذاہب فقہیہ کو احادیث کے سامنے پیش نہ کیا جائے، اور احادیث کی معتمد صحیح کتابوں کو سامنے رکھ کر دلائل و شواہد سے بحث نہ کی جائے، جیسا کہ متقدمین علمائے کبار نے بھی کیا ہے۔

مقصود صرف یہ ہے کہ ان مذاہب فقہیہ کے خلاف جن کی ایسا کتاب و سنت پر ہے، اور امت کا بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آ رہا ہے، کوئی ایسی تحریک یا جماعت قائم نہ کی جائے، یا کوئی سیاسی یا جماعتی نعرہ نہ دیا جائے، اس لئے کہ اس سے ردِ عمل پیدا ہوگا، اور اس کے مقابلے کے لئے کوئی دوسری تحریک شروع ہو جائے گی، خاص طور سے یہ بات کسی ایسے زمانے میں جب اسلامی وجود، شریعت اسلامی اور اسلامی تشخص ہی کو خطرات درپیش ہوں اور ہر طرف سے یلغار ہو، یہ چیز ہرگز امت کے مفاد میں نہیں ہے۔

(مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی ص ۸۳)

احناف کے خلاف جدوجہد کرنے کے بجائے امت میں

اصلاح عقائد و اعمال کی کوشش کیجئے

احناف کے خلاف جدوجہد اور جنگ شروع کرنے کے بجائے اس کی شدید ضرورت ہے کہ مشرکانہ عقائد و اعمال کے خلاف پوری توجہ اور پوری طاقت لگادی جائے کہ ہم ہندوستانی مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہ مرکز اسلام سے دور ہونے کی بنا پر شرک و بت پرستی کا قدیم زمانہ سے مرکز رہا ہے، اس ملک کی زبان و ثقافت بھی اسلامی زبان و ثقافت سے قطعی مختلف ہے، ہندوستانی مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے مشرکانہ عقائد و اعمال، بدعات و خرافات جاہلی رسم و رواج اور شادی و غمی اور ”پرنسپل لا“ میں ان سے متاثر ہیں، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت پر ساری توجہ اور توانائی صرف کردی جائے کہ مسلمانوں کے اس ملک میں بقا و تحفظ کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عقائد، تہذیب، ثقافت، دینی غیرت و حمیت اور اسلامی تشخص و امتیاز کو باقی رکھ سکتے ہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک میں تہذیبی و ثقافتی ارتداد کے اثر و قرائن ظاہر ہو چکے ہیں (ہم دینی ارتداد کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں کہ یہ لفظ دل و دماغ اور سماعت پر گراں ہے)۔ ۲

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا درد مندانه خطاب

اس وقت مسلمان جن خطرات میں گھرے، جن مسائل میں الجھے، جن چیلنجوں سے نبرد آزما اور تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گزر رہے ہیں وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی طاقت و توانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں جو بحث

۱۔ ۲ کاروان زندگی ص ۱۳، ۱۸ ج ۷، وقت کا تقاضا کیا ہے، خطبات علی میاں ص ۲۳۵ ج ۴

تحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں، اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے، یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوششوں کا محور، اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم و رواج، اور غیر اسلامی بود و باش کی اصلاح کو بنایا جائے۔

توحید اور شریعت اسلامی پر عمل کرنے والوں اور محرمات سے بچنے والوں کو صرف فقہی اختلافات کی بنیاد پر جو ہمیشہ قائم رہا ہے، ہدف تنقید بنانا ایسا ہی ہے جیسا بندہ نے اپنے ایک عربی رسالہ میں لکھا ہے ”بے مقصد جہاد بغیر دشمن کے جنگ کے مرادف ہے“۔ اکثریتی فرقہ کے ارادوں اور عزائم سے جو شخص بھی واقف ہے وہ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کو جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکمرانی کی اور تہذیبی، ثقافتی، انتظامی اور اقتصادی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہنچایا، ایک دوسرا اندلس (اسپین) بنانے کی پوری تیاری کی جا چکی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی فکری، ثقافتی، اجتماعی، تہذیبی اور لسانی اور اس کے بعد دینی و اقتصادی نسل کشی کی کوشش کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی علامتیں نصاب تعلیم میں تبدیلی، ہندی کی جبری تعلیم، پرسنل لاء میں مداخلت، یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار، اردو زبان کی بیخ کنی، انگریزی و ہندی اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین، فرقہ وارانہ جماعتوں کے قائدین حتیٰ کہ بعض وزراء کے بیانات و اعلانات اور ان کی پیش کردہ تجاویز اور ان کی تیار کی ہوئی اسکیموں کی شکل میں ظاہر ہونے لگی ہیں تو ایسے نازک وقت میں آپس میں دست و گریبان ہونا ایک بڑی نا عاقبت اندیشی اور کوتاہ نظری ہے۔

باب ۶

فقہ کی اہمیت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا مضمون

علامہ سید سلیمان ندویؒ صاحب جمیعۃ العلماء ہند (کلکتہ ۱۹۲۶ء) کے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اسلام کے قانون کی بنیاد کتاب و سنت اور ان سے ماخوذ ائمہ سلف کی فقہ پر ہے، یہ کہنا کہ اسلامی فقہ موجودہ سلطنتوں کے لئے ناکافی ہے، انتہائی جہالت ہے، ابھی ہماری نئی سلطنتیں تو چوتھائی صدی کی عمر بھی بسر نہیں کر سکی ہیں لیکن ہماری گزشتہ سلطنتیں جو صد ہا سال سے دنیا کے طول و عرض میں قائم رہیں ان کا مدار انہیں اسلامی قانون پر رہا اور انہوں نے وہ عروج و ترقی حاصل کی اور عدل و انصاف اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان کیا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔^۱

فقہ اسلامی کی تدوین نو کی ضرورت کا احساس

بدلتے ہوئے حالات اور جدید مسائل و مشکلات کے حل کے لئے سید صاحب کی رائے یہ تھی کہ فقہ اسلامی کی تدوین نو کی جائے، اور اصحاب بصیرت علماء اور اصحاب فقہ، فقہ اسلامی کی تدوین و تطبیق کا فرض انجام دیں تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ فقہ اسلامی ایک زندہ متحرک قانون ہے جو ہر دور اور عہد کے مسائل کے حل کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے، چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ریاست حیدرآباد نے ہندوستان کے معروف دینی ادارے دارالمصنفین کو یہ خدمت سپرد کی کہ فقہ حنفی کے مطابق ایک ضابطہ جنایات کی ترتیب و تدوین کی جائے

۱۔ ندوۃ کا فقیہی مزاج ص ۲۱۴۔

چنانچہ سید صاحبؒ کی قیادت و نگرانی میں ان کے رفقاء نے دولت عثمانیہ ترکی کے مجلہ الاحکام کے طرز پر دفع وار قانون جنایات مرتب کیا، جس کا مسودہ سید صاحب نے حکومت حیدرآباد کو پیش کیا۔

فقہ اسلامی کی تدوین جدید کے سلسلہ میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے مشورہ اور کام کا آغاز

مولانا محمد اویس صاحب ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”دارالمصنفین“ کے زمانہ قیام میں سید صاحب نے مجھ سے اسلام کے نظام کاشتکاری اور کتب فقہ سے زراعت و آبپاشی کے مسائل کو اردو میں مرتب کرنے کے لئے فرمایا، میں نے کام شروع کر دیا، اسی زمانہ میں سید صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے وہاں مولانا تھانویؒ سے اس کا ذکر آیا اور رائے یہ قرار پائی کہ شروع سے پورے سلسلہ فقہ کو اردو میں مدون کر دیا جائے تاکہ اردو داں طبقہ کے ہاتھ میں ایسا مجموعہ آجائے جو روزمرہ کی ضروریات میں ان کے لئے کافی ہو، سید صاحب نے تھانہ بھون سے تشریف لا کر اس تجویز کا ذکر فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اب کتاب الطہارت سے کام شروع کر دو، اس کی تعمیل شروع کر دی گئی۔۔۔۔۔ مگر افسوس کہ پہلی جلد سے کام آگے نہ بڑھ سکا، سید صاحب کو اس سلسلہ کی تکمیل کا بے حد خیال تھا، وفات سے چند ماہ پیشتر جب ہندوستان تشریف لائے تو بار بار فرماتے تھے کہ اس وقت نئے نئے مسائل سامنے آرہے ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے جو ان مسائل کا تشفی بخش جواب دے سکیں، اس لئے فقہ کی تعلیم پر بہت توجہ کرنا چاہئے، دارالعلوم کے طلبہ کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں بھی اس پر زور دیا تھا، بہر حال اردو میں فقہ اسلامی کی تدوین کی تجویز اہمیت رکھتی ہے اور یہ کرنے کا کام ہے۔“

۱۔ معارف سلیمان نمبر ص ۲۹، ۱۲۶ ذکار سلیمانی ص ۱۶۳ ۲۔ روداد چمن ص ۱۵۷۔

طلبہ کو فقہ اسلامی کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت

حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
تحریر فرماتے ہیں:

۱۹۵۲ء میں آخری بارسید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی مشرقی بنگال کے سفر سے لوٹتے ہوئے ندوہ تشریف لائے تو استقبالیہ جلسہ میں آں جناب نے صرف اسلامی فقہ میں گہرائی اور مہارت حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو متوجہ کیا، ان کی یہ فکر مستقبل کے حالات کا اندازہ کر کے بہت زیادہ سنجیدہ تھی۔ آج نصف صدی کے بعد ان کی اس روشن ضمیری کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے!

جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء مجتہدین کی ضرورت

علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے نوجوان ارکان سلطنت کہتے ہیں کہ آج ہم کوئی نئی ضرورتیں درپیش ہیں نئے مسائل سامنے ہیں، نئے معاملات اور معاملات کی نئی صورتیں آگئی ہیں جن کا جواب ہم کو اسلامی قانون سے نہیں ملتا، لیکن اس کی وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے ہماری پرانی سلطنتوں کی طرح علماء مجتہدین کے پیدا کرنے کا سامان نہیں کیا، کون کہہ سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی سلطنت کی ضروریات ہارون رشید کی سلطنت کی ضروریات کے بالکل برابر تھیں، زمانہ کے ہر قدم کے ساتھ معاملات کے نقشے بھی بدلتے رہتے ہیں مگر ہارون رشید کے ساتھ قاضی ابو یوسف کا بھی وجود تھا۔^۱

۱۔ سلیمان نمبر ص ۲۴۹ و ۲۵۰ ۲۔ ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج ص ۲۲۔

۲۔ خطبہ صدارت اجلاس ہفتم جمعیتہ العلماء ہند منعقدہ ۱۹۲۶ء کلکتہ، افکار سلیمانی ص ۱۶۵



فقہیات اور جدید تحقیقات میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے حسن ظن و اعتماد

علامہ سید سلیمان ندویؒ صاحب اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعض اکابر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں بہت سے معاملات کی نئی نئی صورتیں پیدا ہو جانے کی وجہ سے ایک جدید فقہ کے مرتب کرنے کی ضرورت ہے، اور مذہبی نظام کو قائم رکھنے اور اس کے اضمحلال کو دور کرنے کے لئے موجودہ زمانہ کا ایک اہم سوال ہے، اس سلسلہ میں اگر کوئی کتاب شائع ہوئی ہو یا کوئی ادارہ ادھر توجہ کر رہا ہو تو خاکسار کو اس سے مطلع فرمائیں۔“

جواب میں گزارش ہے کہ افراد کی طرف سے بعض بعض مسائل اور فتوؤں کے جواب وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حوادث الفتاویٰ میں ایسے بعض مسئلوں کے جواب دیئے ہیں اور ان کے زیر نظر جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے کچھ رسالے لکھے ہیں، دارالمصنفین نے فقہ کی مفصل و مکمل کتاب کئی جلدوں میں لکھوانے کا ارادہ کیا ہے، جن میں قدیم اور جدید سارے مسئلوں کے استیعاب کا ارادہ ہے، بالفعل پہلی جلد کتاب الطہارۃ تک تیار ہو چکی ہے، اب اس کو دیگر اہل نظر کے سامنے پیش کرنا ہے۔

لیکن اصلی صورت یہ ہے جیسا کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا کہ اہل معاملات پہلے ان جدید معاملات کی ان صورتوں کو جو ان کو پیش آتی ہیں، یکجا کر کے علماء کے سامنے رکھیں اور علماء ان کے جوابات مرتب فرمائیں، حضرات علماء کو بے تعلقی کے سبب سے جدید معاملات کی خبر نہیں اور نہ ان کو حقیقت سے پوری واقفیت ہے، اس

لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کی تفصیلات خود اہل معاملہ کھول کر بتائیں، تاکہ حضرات علماء ان پر غور و فکر کر سکیں۔^۱

عام مسلمانوں کی سہولت کے خیال سے حضرت مولانا تھانویؒ نے تو یہاں تک خیال ظاہر فرمایا ہے کہ معاملات میں مختلف ائمہ مجتہدین کے مسائل میں سے اس زمانے کے مطابق جس میں مسلمانوں کے لئے زیادہ سہولت اور آسانی ہو، اہل ضرورت کو اس کا فتویٰ دیا جائے، ☆

چنانچہ اسی اصول پر مظلوم مسلمان عورتوں کے لئے ”الحلیۃ الناجزۃ“ تصنیف فرمائی جس میں فقہ حنفی کو چھوڑ کر متعدد مسائل میں فقہ مالکی کے مطابق جوابات تحریر فرمائے، اور ان صورتوں کو اختیار فرمایا جن میں مسلمان عورتوں کے لئے زیادہ سہولت نظر آئی، اسی طرح معاملات کے دوسرے مسائل پر بھی نظر کی جاسکتی ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے کرنے کا نہیں ہے، بلکہ متقی، دیندار اور مستند اہل فتویٰ کا ہے، جن کی بصیرت پر علماء اور عام مسلمانوں کو اعتبار ہو۔^۲

۱۔ معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء ماخوذ از شذرات سلیمانی ص ۳۸۶

۲۔ معارف ماہ مئی ۱۹۴۶ء شذرات سلیمانی ص ۳۸۔

☆ (حضرت تھانویؒ نے) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ عرصہ ہوا میں نے ہر پیشہ کے لوگوں سے وقتاً فوقتاً انفرادی صورت میں کہا تھا کہ ہر قسم کے معاملات جو کہ ذرائع معاش ہیں متعارف صورتیں ضبط کر لی جاویں اور میرے پاس بھیج دی جاویں، میں بصورت رسالہ ان کے احکام شرعیہ کو لکھوں گا تا کہ حوادث و فتنہ کے احکام عام طور سے معلوم ہو جاویں، اور ان میں بھی اس کی کوشش کروں گا کہ حتی الامکان وسعت دی جاوے خواہ دوسرے ہی امام کا قول لینا پڑے بشرطیکہ مذاہب اربعہ سے خروج نہ ہو، اور اس وسعت کے اہتمام کی ضرورت یہ تھی کہ بعض صورتوں میں ابتلا ہے اس لئے سہولت کی کوشش کی جاوے مگر کسی نے بھی میری اعانت نہ کی اب اگر ان معاملات کے ضبط کا بھی کچھ انتظام ہو جاوے تو اب اتنی قوت نہیں رہی کہ اس خدمت کو انجام دے سکوں۔ (ملفوظات حکیم الامت ملفوظ نمبر ۱۶۵، ص ۱۴۱ ج ۵ مطبوعہ ملتان)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بڑا کارنامہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فقہی کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت حکیم الامتؒ کو مسائل فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ و اساتذہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فتویٰ نویسی کی خدمت لینی شروع کر دی تھی، اگر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۱ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے، ہزاروں فتوے اور سیکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاویٰ اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے مجموعے جمع کئے گئے، جس کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حوادث الفتاویٰ کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاویٰ سے باسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

”بہشتی زیور“ کی دس جلدیں جو گوعورتوں کی ضروریات کے لئے ہیں، مگر ان میں تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہیں، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

”فتاویٰ اشرفیہ“ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں۔

”بہشتی گوہر“ بہشتی زیور کے سلسلہ کا مردانہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ جماعت عیدین وغیرہ۔ ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ ربا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سنیما اور فلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فقہی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے۔

احکام القرآن کی تصنیف

دلائل القرآن علی مسائل النعمان

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مضمون ”ماثر حکیم الامت“ میں تحریر فرماتے ہیں: مولانا (اشرف علی صاحب تھانویؒ) کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا، وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابوبکر بھصاؓ رازی اور تفسیرات احمدیہ ملا جیوں کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دیں جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت انہوں نے اپنے مسٹر شمس خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں، چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہو گئے، جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آ جاتے تھے، بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر آ کر قلمبند فرمالیتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام نام تمام رہ گیا۔☆

۱۔ حکیم الامت کے آثار علیہ۔ ماخوذ از ماثر حکیم الامت ص ۱۹۸ ☆ الحمد للہ یہ کام پانچ جلدوں میں مکمل ہو کر منظر عام پر آ چکا ہے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی روایت میں ہے جن کو خود بھی ماشاء اللہ قرآن پاک کے فہم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور فقیہانہ دقت نظر سے کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا لیکن اب تک اس پر اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا، اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سن کر اپنے مستقر پر پہنچ کر اس کو بعینہ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی۔

اس احکام القرآن کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”احکام القرآن“ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی تالیف کے لئے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت والد صاحب (مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو منتخب فرمایا تھا، پیش نظریہ تھا کہ اس کتاب میں قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کو مفصل دلائل کے ساتھ جمع کر دیا جائے، اور اس میں خاص طور سے ان مسائل پر زیادہ توجہ دی جائے جن کی عصر حاضر میں زیادہ ضرورت ہے، چنانچہ قرآن کریم کی مختلف منزلیں ان چاروں حضرات پر تقسیم کر دی گئیں، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی منزل حضرت والا قدس سرہ نے پانچویں اور چھٹی منزل اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ نے ساتویں منزل کی تالیف مکمل فرمائی، اور یہ تینوں حصے شائع بھی ہو گئے.....

۱۔ معارف ج ۵۳ شمار نمبر ۲، فروری ۱۹۴۴ء حکیم الامت حضرت تھانوی کے آثار علمیہ ص ۱۸۱

چونکہ علمی اور تحقیقی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ کتاب عوام کے بجائے اہل علم کے کام کی تھی اور اس کی افادیت صرف برصغیر کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے تھی اس لئے اس کتاب کی تالیف کے لئے عربی زبان کا بجا طور پر انتخاب کیا گیا۔

”إعلاء السنن“ کی ضرورت اور اس کی اہمیت

حضرات اہل حدیث کے اس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضرات حنفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں اور چونکہ کتب حدیث زیادہ تر محدثین اور حضرات شوافع کی تالیف ہیں، اس لئے ان میں حنفیہ کی مؤید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی مؤطا اور آثار قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ مرتبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہے، مگر کتب صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں چن کر ان احادیث و روایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا، جن سے مسائل حنفیہ کی تائید ہوتی تھی۔

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہل حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پورب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی لئے اس ضرورت کا احساس بھی پہلے یہیں کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی نے ”آثار السنن“ کے نام سے کتب حدیث سے التفات کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۲۲۱ھ میں شائع ہوا، علمائے احناف نے اس کتاب کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا،

۱۔ پیش لفظ ”اسلام اور موسیقی“ مطبوعہ پاکستان ص ۲۶

یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی مدح میں عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا نیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا، اور ”احیاء السنن“ کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہو گیا، وہ چھپ کر شائع ہو گیا۔

۱۳۳۱ھ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے کہ حضرت والا خود اس کام کو تنہا انجام نہیں دے سکتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھ کر کام لیا جائے، چنانچہ..... آئندہ کام کے لئے مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا۔

اس کے بعد ”احیاء السنن“ کے نام کو بدل کر ”اعلاء السنن“ کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات اس کے شروع و حواشی میں یکجا کئے گئے ہیں۔ ☆

۱۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ، معارف ج ۵۳ شمارہ نمبر ۲ فروری ۱۹۴۴ء
☆ الحمد للہ یہ کتاب ۲۲ جلدوں میں مکمل ہو کر انڈیا (دیوبند) و پاکستان وغیرہ سے برابر شائع ہو رہی ہے، اخیر کی جلدیں خاص طور پر اصول حدیث و اصول فقہ اور اجتہاد و تقلید وغیرہ مباحث اور مناقب ابی حنیفہ پر مشتمل ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا سلسلہ ”ترجیح الرائج“

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صالحین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامت نے اپنے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے، جن میں از خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامح نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرات تابعین و تبع تابعین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت نے زندہ کیا اور اپنے کو بار آخرت سے بچایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اپنی بعض تحقیقات سے رجوع

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہو گیا، یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر لئے، میری تحریر کا آغاز ۱۹۰۲ء سے ہوا ہے اور اب ۱۹۴۲ء ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کر لئے، جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہوں گی تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

از کردہ ناصواب یارب توبہ

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہو گئے، یا نہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباع حق کے بجائے اتباع ہوی کے موقع کہاں

۱۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے آثار علمیہ، معارف ج ۵۳ شمارہ نمبر ۲ فروری ۱۹۴۲ء

کہاں پیش آئے اور اب بھی اپنی موجودہ حالت پر بزبان حال یہ صدائے غیب آتی ہے
چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

کتابوں اور مضمونوں کے ہزار ہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں
جاسکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے
جس سے اتباع حق کے بجائے اتباع ہوئی کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حالت میں قصور وار
ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا علم و عمل کی لغزش گا ہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلتا
بہت مشکل ہے اس لئے یہ خاکسار ہیچمدان علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو
دانستہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا
اعتراف اور اپنی ہر اس رائے سے جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو، اعلان برأت
کرتا ہے، وما توفیقی الا باللہ۔^۱

معراج اور فناء نار کے مسئلہ میں رجوع

ایسا بھی دو چار دفعہ ہوا ہے کہ ایک تحقیق کے بعد دوسری تحقیق سامنے آئی
ہے اور اپنی غلطی ظاہر ہوئی ہے تو بعد کے ایڈیشن میں اس کے مطابق تبدیلی کر دی ہے
مثلاً معراج بحالت بیداری و بہ جسم ہونے پر قرآن پاک سے صحیح استدلال مجھے پہلے
نہ مل سکا اور بعد کو اللہ تعالیٰ نے توفیق سے صحیح دلیل سمجھا دی تو دوسرے ایڈیشن میں اس
کو بڑھا کر اس مقام کی تصحیح کر دی۔

اسی طرح فناء نار کے مسئلہ میں پہلے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی پیروی میں
کچھ لکھا گیا، بعد کو جمہور کی رائے کا اضافہ کر کے دونوں کے دلائل کی تشریح کر دی اور اب بحمد
للہ کہ اس باب میں جمہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آ گیا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

۱۔ معارف جنوری ۱۹۶۳ شذرات سلیمان ص ۳۱۸۔

تصویر کے مسئلہ میں رجوع

مسئلہ تصاویر کے متعلق میں نے ۱۹۱۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں ذی روح کے فوٹو لینے یعنی عکسی تصویر کشی اور خصوصاً نصف حصہ جسم کے فوٹو کا جواز ظاہر کیا تھا، اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے جن میں سے بعض میرے موافق ہیں اور بعض میرے مخالف ہیں لیکن بہر حال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے کہ صحیح یہی ہے کہ امراول (یعنی عکسی تصویر جو کیمرے وغیرہ سے لی جاتی ہے) دتی تصویر کی طرح ناجائز ہے اور امر ثانی کا کھینچنا ناجائز اور کھینچنا باضطرار جائز اور دھڑکا بغیر سر اور چہرے کے دونوں جائز! پوری تفصیل آئندہ لکھی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

زیوروں کی زکوٰۃ کے مسئلہ میں رجوع

زیوروں میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا ہے، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عدم وجوب کی قائل تھیں، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ان کے اس مسلک کی تشریح میرے قلم سے کچھ اس انداز سے نکلی ہے جس سے اس مسئلہ میں ان کی اس رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب علم نے بڑی خوبی سے اس کا جواب بھی ایک رسالہ میں لکھا ہے جو شائع ہو چکا ہے اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دینا ہے اور کہہ دینا ہے کہ میں زیوروں میں جمہور کے فیصلہ کے مطابق زکوٰۃ کے وجوب کا قائل اور اس پر بحمد اللہ عامل ہوں اور کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں انشاء اللہ اس کی تصحیح بھی ہو جائے گی۔

یہ باتیں کسی معترض کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے لکھ رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ بار الہا مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور

جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ اور مجھے راہ صواب دکھا، ربنا اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔ ربنا لا تواخذنا ان نسينا أو أخطانا.... واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا !!!

اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا ہو جس نے میری وجہ سے ان مسئلوں میں میری رائے اختیار کی ہو تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اس میرے رجوع اور تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کر لے اور صحیح امر اختیار کرے، علمائے سلف میں اپنی رائے سے رجوع اور ترجیح اور قول ثانی کا رواج عام رہا ہے۔ یہ ان ہی کا اتباع حق ہے والحق احق ان يتبع والسلام علی من اتبع الهدی^۱

۱۔ معارف ماہ جنوری ۱۹۴۳ء، قندکرہ سلیمان، ص: ۱۶۰ تا ۱۶۲۔

فصل

امام ابوحنیفہؒ کی قدر منزلت اور موجودہ غیر مقلدین ایک نظر میں

از: مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم ☆

ائمہ اربعہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے سب سے مقدم، اور سب سے زیادہ وسعت اور گہرائی اور گیرائی رکھنے والے تھے، اس کا اعتراف مسجد کے ملا اور جمن اور عوام الناس کریں تو کہہ دیا جائے کہ ناواقف لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں، اس کا اعتراف ان ائمہ عظام نے کیا جو ان سے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اور وہ خود مقتدا اور پیشوا ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق امام شافعیؒ کی شہادت

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ“ ”الناس“ تمام انسان بشمول شافعی، بشمول احمد ابن حنبل، بشمول دیگر حضرات، جو بعد کے ہیں، فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج اور دست نگر ہیں، امام شافعی منصف تھے، امام شافعی دانشمند تھے، امام شافعی امام جلیل تھے، امام شافعی صادق اللسان تھے، امام شافعی نے جب یہ کہا تو حقیقت کی ترجمانی کی، کیونکہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن الحسن الشیبانی کے شاگرد ہیں، اور امام ابوحنیفہ ان کے استاذ الاستاذ ہیں، فقہ حنفی انہوں نے امام محمد سے سیکھی ان کی فقہت کو سمجھنے کا انہیں خوب موقع ملا۔

☆ یہ مضمون حضرت مولانا سید سلمان حسینی صاحب ندوی دامت برکاتہم کی ایک اہم تقریر کا آخری حصہ ہے جو بعینہ نقل کیا گیا ہے (۱۔ سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۰ ج ۶)

امام اعظمؒ کے حق میں امام مالکؒ کی گواہی

ابتداءً امام مالکؒ جن کی ملاقات امام ابوحنیفہؒ سے نہیں ہوئی تھی، اور ان تک غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے غلط باتیں پہنچائی گئیں تھیں، امام صاحب کے بارے میں صحیح رائے نہیں رکھتے تھے، یہ کہا گیا تھا کہ وہ بڑے قیاس ہیں، بڑی رائے زنی کرتے ہیں، حدیثوں پر توجہ نہیں دیتے اور آپ جانتے ہیں کہ عراق تو ”دارالضرب“ کہلاتا تھا جہاں اہل تشیع کی مہربانی سے حدیثیں گڑھی جاتی تھیں، مختلف باتیں امام مالک کو پہنچائی گئیں، لیکن جب امام مالک کی امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی اور دونوں کا مذاکرہ ہوا اور ایک دوسرے کے علم اور تقویٰ کو سمجھنے کا موقع ملا، تو امام ان کی فقاہت و ذہانت سے بے انتہا متاثر ہوئے اور فرمایا:

یہ ایسا امام جلیل ہے کہ یہ اگر ثابت کرنا چاہے کہ مسجد نبوی کے یہ ستون سونے کے ہیں تو ثابت کر سکتا ہے۔

یعنی دلائل و براہین اس کے حضور کھڑے رہتے ہیں، دلائل پیش کرنے پر آئے تو بڑے سے بڑا منطقی اور بڑے سے بڑا معقولی انگشت بدنداں رہ جائے، یہ اعتراف حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک ایسے امام کی طرف سے ہے جن کو آج کل کے ”اہل حدیث“ اپنے میں شمار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ان سے بری ہیں۔

امام اوزاعیؒ کی حضرت عبداللہ بن مبارک کو نصیحت

امام اوزاعیؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقام فقاہت سے پوری طرح واقف نہیں تھے، ایک موقع پر ایک مسئلہ زیر بحث آیا جو حل نہیں ہو رہا تھا، اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے ایک رائے ذکر کی، امام اوزاعیؒ نے پوچھا: اے عبداللہ! یہ مسئلہ تمہیں

۱۔ الخیرات الحسان ص ۳۱

کہاں سے معلوم ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ النعمان سے، تو انہوں نے کہا کہ:
اچھا اگر ایسا ہے تو، فالزم غرضہ تو ان کی رکاب تھامے رہنا، ان کی رکاب
تھامے رہنا۔

دولت عباسیہ میں حنفی چیف جسٹس کا تقرر

اور یہی وہ فقیہ اعظم ہیں جن کے شاگرد رشید ابو یوسف القاضی کو پوری ملت
اسلامیہ کے لئے دولت عباسیہ نے چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات کیا، قاضی القضاۃ
کا منصب ابو یوسفؒ کے لئے طے کیا گیا جب کہ عباسی خاندان اپنی نسبت خاندانی
حضرت ابن عباس سے رکھتا تھا اور فقہ ابن عباسؓ پر زیادہ تر فقہ شافعی کا دار و مدار ہے۔

مذہب اربعہ کے مآخذ اور امام اعظم کا مرتبہ

امام شافعیؒ کی فقہ کا بنیادی مآخذ فقہ ابن عباسؓ ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ
کا بنیادی مآخذ فقہ ابن مسعودؓ ہے اور امام مالکؒ کی فقہ کا مآخذ فقہ ابن عمرؓ ہے اور ابن
حنبلؒ کی فقہ کا مآخذ فقہ شافعیؒ، وقفہ مالکی اور فقہ حنفیؒ ہے، ابوحنیفہؒ رأس الفقہاء ہیں، اور یہ
اعتراف تمام فقہاء اور علماء کا ہے کہ اس مقام اور اس میدان میں ابوحنیفہؒ کا کوئی ثانی نہیں۔

دیگر فقہاء کے نقطہ ہائے نظر

اوزاعیؒ بھی امام ہیں، لیث بن سعدؒ بھی امام ہیں، اسحاق بن راہویہؒ بھی امام
ہیں، لیکن اسحاق بن راہویہؒ اکثر احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ہیں، ان کا فقہی نقطہ نظر ان سے
ملتا جلتا ہے، اوزاعیؒ کا فقہی نقطہ نظر اکثر ابوحنیفہؒ سے ملتا جلتا ہے، لیث بن سعدؒ کا فقہی

نقطہ نظر اکثر مالکؒ سے ملتا جلتا ہے، ہر فقیہ کو وہ تلامذہ نہیں ملے جو اس کی فقہ کی داغ بیل اچھی طرح ڈالتے اور اس کی تدوین کا فریضہ انجام دیتے، کیا احمد بن حنبلؒ کا مقام بخاریؒ سے کمتر ہے؟ ہرگز نہیں، احمد بن حنبلؒ بخاریؒ کے استاد ہیں، لیکن احمد بن حنبلؒ وہ کام نہ کر سکے جو بخاریؒ نے کیا، آج اکتب بعد کتاب اللہ، صحیح البخاری کو قرار دیا جاتا ہے، لیکن اسی طرح بخاری وہ کام نہ کر سکے جو امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ سے وجود میں آیا۔

امام مالک کے یہاں فقہاء کا مقام اور اہمیت

امام مالکؒ عام محدثین میں سب سے مقدم ہیں، جنہوں نے مؤطا لکھی اور جن کی مؤطا کے بارے میں خلیفہ عباسی منصور نے خود حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی تھی کہ اس کو کعبہ مقدسہ پر آویزاں کر دیا جائے تاکہ پوری ملت اسلامیہ اس کو دستور مانے، تو امام مالکؒ نے کہا کہ نہیں، یہ کرنا درست نہیں ہے، یہ میری ایک کوشش ہے، میں امت کا ایک فرد ہوں، ایک مجتہد ہوں، اور بھی بہت سے علماء اور اصحاب اجتہاد ہیں، میری رائے ان پر تھوپی جائے، اور لازم کی جائے یہ خلاف انصاف ہے، اس لئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ تھا ان حضرات کا انصاف اور ان کی تواضع، کہ اپنے معاصر علماء کی رائے کا اس قدر احترام تھا، انہوں نے اپنی کتاب کو مملکت کا دستور نہیں بننے دیا، جب کہ وہ شیخ الامامین ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد محمد بن الحسنؒ، امام مالکؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ بھی ان کے شاگرد ہیں، اور دوسری طرف وہ شیخ المملوک بھی ہیں کہ ہارون الرشید کے دونوں صاحبزادے امین و مامون امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، سلطنت کے بھی افراد امام مالکؒ کے شاگرد اور فقاہت کے بھی بڑے بڑے علمبردار امام مالک کے شاگرد ہیں، اور امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کے معترف ہیں، سب ایک دوسرے کے معترف اور قدر و احترام کرنے والے ہیں۔

ائمہ اربعہ کے تلامذہ

بہر حال ائمہ اربعہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے تلامذہ عطا فرمائے جنہوں نے ان کے اقوال محفوظ رکھے، ان کے اصول محفوظ رکھے، قواعد مرتب کئے، ان سے سنی ہوئی احادیث مرتب کیں، مسائل مرتب کئے اور ان کے اصول کے مطابق مسائل کے جوابات دیئے، کتنی مضحکہ خیز بات کرتے ہیں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے پاس سترہ احادیث تھیں، یہ ایک ایسی بچکانہ اور طفلانہ بات ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی کسی علمی مجلس میں اس کو ذکر کرے تو اس کی بدذوقی کی دلیل کے لئے یہ کافی ہے۔

حالیہ علم کا ہمیشہ رویہ یہ رہا کہ انہوں نے علماء و فقہاء کے ادب کو ملحوظ رکھا، ان کے اختلافات کا تذکرہ بھی کیا تو ادب کے ساتھ کیا، ان کے مناقشات و مباحثات اور استناد کا تذکرہ کیا تو ادب کے ساتھ، علم کا ایک ادب ہوتا ہے، اسی نسبت سے صاحب علم کا ادب ہوتا ہے۔

آج کل کے غیر مقلدین سلفی ایک نظر میں

آج جو سلفی مسلک کی طرف اپنی نام نہاد نسبت کرتے ہیں اور اپنے کو سلفی کہتے ہیں اس کی کوئی دینی، علمی، تاریخی، اور قانونی اصلیت اور استناد نہیں، اس کے کوئی منضبط معنی نہیں ہیں، یہ ائمہ اربعہ سے فرار کی ایک ناکام و نامراد کوشش ہے، اور خود سلف کے طریقہ سے گریز کی علامت، کہ سلف میں کسی نے اپنے کو کبھی سلفی نہ کہا، ہاں اہل السنۃ والجماعۃ یا اہل القرآن یا اہل الحدیث کی اصطلاحات ضرور استعمال ہوئیں، لہذا یہ اصطلاح بے اصل اور غیر مستند ہے، محدثین کبار جو آج احادیث کی تحقیق میں مرجع ہیں اپنے کو سلفی نہیں کہتے، ابن حجر نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عینی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، نووی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عراقی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، ابن دقیق العید نے اپنے کو سلفی نہ کہا یہ

اصطلاح مبتدعانہ ہے، یہ نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے، نہ قرن اول میں یہ اصطلاح تھی، نہ قرن ثانی میں، نہ قرن ثالث میں، نہ کسی دور میں، یہاں تک کہ ”اہل الحدیث“ کی اصطلاح بھی عہد نبوی میں نہیں تھی، عہد نبوی میں حضور نے جو اصطلاح استعمال فرمائی بعض بعض موقعوں پر وہ اصطلاح ”اہل القرآن“ کی ہے، ترمذی میں حدیث آئی ہے وتر کے بیان میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اوتروا یا اہل القرآن اوتروا یا اہل القرآن حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا آواز دو! یا اہل القرآن، قرآن کی طرف نسبت تو حدیث میں ثابت ہے اگرچہ اہل القرآن کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل الحدیث نہیں اور اہل الحدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل القرآن نہیں لیکن کسی اصطلاح کو اپنے اوپر چسپاں کر لینا جب وہ اپنے اوپر فٹ نہ ہوتی ہو درست نہیں۔

حنفی کہنے کا مطلب

جس نے اپنے کو حنفی کہا اس نے صحیح کہا کیونکہ اس نے ابوحنیفہ جو فقیہ و مجتہد تھے کے مسلک اور اس کی تفصیلات، تخریجات اور تفریعات اور اجتہادات اور آراء محمودہ کا اتباع کیا، اس لئے اس نے اپنے کو تعارف کے لئے حنفی کہا، نہ کہ تفریق کے لئے، گویا اس نے یہ کہا کہ ابوحنیفہ نے جو مجتہدانہ کوششیں کی ہیں میں ان سے وابستہ ہوں، انہیں پسند کرتا ہوں، کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہترین تشریح پر مشتمل ہیں، اس لئے میں ان کو ماننا ہوں، اگر کسی جج کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لے جائیں تو اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ دوسرے جج کو وہ لازمًا غلط سمجھتے ہیں، دوسرا جج اپنی جگہ صحیح ہے، ایک جج آپ کے لئے متعین کر دیا گیا ہے اب آپ اس پورے کیس میں اس جج سے رجوع کرتے رہتے ہیں، دوسرا جج جس کو دوسرے نے اختیار کیا ہے، وہ اس کے لئے

متعین کر دیا گیا ہے وہ اس سے رجوع کرتا ہے، جس طرح کسی ملک میں سپریم کورٹ آخری اتھارٹی ہوتی ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کے لئے ائمہ اربعہ اسلام کی سپریم کورٹ کی آخری اتھارٹی ہیں وہ واضح قانون نہیں ہیں، قانون کے معتبر شارح و ترجمان ہیں، جن کو امت کے تمام علماء فقہاء اور محدثین نے تسلیم کیا ہے، انہیں ائمہ کے تابعین کی کتابوں سے سلفی دلیل اخذ کرتے ہیں اور پھر اس کا وار خود انہیں کے خلاف کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کی توہین کرنے والا اہل سنت والجماعت سے خارج ہے

اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (جن کی طرف نسبت کرنے سے سلفی نہیں چوکتے) فرماتے ہیں ”جو شخص بھی ائمہ اربعہ کی توہین کرے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، یہاں تک کہ اگر ان سب سے کوئی اختلاف کر رہا ہے تو اغلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں وہ حق پر نہیں، ائمہ اربعہ کی فقہ سے خروج کرنا اچھی علامت نہیں ہے اس میں خطرات بہت زیادہ ہیں، ان کی توہین و بے ادبی تو صرف زندیق و منافق ہی کرتے ہیں، بیاباں فرقوں کے ایجنٹ، جو معاملہ شیعہوں نے صحابہ کے ساتھ کیا، جو بھی یہ معاملہ ائمہ اور اولیاء اللہ کے ساتھ کرتا ہے وہ اصلاً تشیع کی ذہنیت و مزاج رکھتا ہے، اور جو نحوست شیعہوں کے ساتھ لگی ہے وہی نحوست ان بے ادب سلفیوں غیر مقلدوں کے ساتھ بھی لگی ہے، جن فقہاء، صوفیاء اور اولیاء اللہ کا تذکرہ، ذہبی، سیوطی، ابن خلدون اور دیگر محقق و مورخ علماء کرام نے نہایت بلند الفاظ و القاب کے ساتھ کیا ہے اب جو شخص اس درجہ سطحیت اور چھچھورے پن پر اتر آئے کہ ان کے ساتھ بھی سب و شتم کرے، اس کی شقاوت و بدبختی میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔“

ضمیمہ

تقلید شخصی سے متعلق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مضمون عہد صحابہ میں تقلید شخصی

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

عہد صحابہ میں تقلید شخصی کی بھی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ میں کتاب الحج ”باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت“ کے تحت حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے:

”إن أهل المدينة سألوا ابن عباسؓ عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفروا قالوا لا نأخذ بقولك وندع قول زيدؓ۔“

اور یہی روایت مجتمہ اسماعیل میں عبد الوہاب الشافعی کے طریق سے منقول ہے، اس میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

”لأنبأني أفتيتنا أولم تفتنا، زيد بن ثابت يقول لا تنفروا“

اور مسند ابوداؤد طیالسی میں ان کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

”لأنتابعك يا ابن عباسؓ وانت تخالف زيداً“

اس سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ حضرات زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے، اسی بناء پر انہوں نے اس معاملہ میں حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابی کا فتویٰ قبول نہیں کیا اور ان کے قول کو رد کرنے کی وجہ بجز اس کے بیان نہیں فرمائی کہ ان کا

۱۔ فتح الباری ج ۳ ص ۶۸ طبع میریہ ۱۳۵۰ھ و عمدة القاری ج ۴ ص ۷۷۷

۲۔ مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۲۹ مرویات ام سلمہؓ

یہ قول زید رضی اللہ عنہ کے فتوے کے خلاف تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ تم تقلید شخصی کر کے گناہ یا شرک کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ وہ حضرت ام سلیم سے مسئلہ کی تحقیق کر کے حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف دوبارہ رجوع کریں، چنانچہ ایسا کیا گیا، اور حضرت زیدؓ نے حدیث کی تحقیق فرما کر اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع فرمالیا، جیسا کہ مسلم (ج ۱ ص ۴۷۷ کتاب الحج باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، ۱۲) وغیرہ کی روایات میں مصرح ہے۔

بہر حال اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اہل مدینہ حضرت زیدؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

(۲) صحیح بخاری (ج ۲ ص ۹۹۷) میں کتاب الفرائض باب میراث ابنة ابن مع ابنتہ کے تحت حضرت ہذیل بن شریبیل سے مروی ہے کہ:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کچھ لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب تو دے دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو، چنانچہ وہ لوگ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس گئے، اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی رائے بھی ذکر کر دی، حضرت ابن مسعودؓ نے جو فتویٰ دیا وہ حضرت ابو موسیٰؓ کے فتویٰ کے خلاف تھا، لوگوں نے حضرت ابو موسیٰؓ سے حضرت ابن مسعودؓ کے فتوے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

”لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ“

(تم لوگ مجھ سے مسئلہ مت پوچھو جب تک تم میں یہ بڑے عالم موجود ہیں)

اور مسند احمد (ج ۱ ص ۴۶۲ فی احادیث عبداللہ بن مسعودؓ) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

”لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ“

(تم لوگ مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو جب تک کہ یہ علامہ تمہارے درمیان

موجود ہیں)

یہاں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ہر مسئلہ عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے پوچھا کرو، اور اسی کا نام تقلید شخصی ہے۔

(۳) ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان کو مأخذ شریعت کی ہدایت فرمائی، اس واقعہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اہل یمن کے لئے محض گورنر بن کر نہیں گئے تھے، بلکہ قاضی اور مفتی بن کر بھی گئے تھے، لہذا اہل یمن کے لئے صرف ان کی تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا، چنانچہ اہل یمن انہی کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے۔

اس پر بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ قاضی تھے، مفتی نہیں تھے، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے صحیح بخاری (ج ۲ ص ۲۹۷) ”کتاب الفرائض باب میراث البنات“ میں حضرت اسود بن یزیدؓ کی روایت ہے کہ:

”أتانا معاذ بن جبل باليمن معلماً و أميراً فسألناه عن رجل توفي وترك ابنته واخته فاعطى الابنة النصف والاخت النصف“

اس سے صاف واضح ہے کہ وہ بحیثیت مفتی کے فتویٰ دیتے تھے اور زیر بحث مسئلہ میں انہوں نے اپنے فتویٰ کی کوئی دلیل بھی بیان نہیں فرمائی اور اہل یمن نے اس کو محض تقلیداً قبول کیا۔

غرض عہد صحابہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں کے نظائر بکثرت موجود ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ اصل کے اعتبار سے دونوں جائز ہیں، اور قرون اولیٰ میں دونوں طریقوں پر بلا تکرار عمل ہوتا رہا ہے، لیکن بعد کے علماء نے ایک عظیم انتظامی مصلحت سے تقلید مطلق کے بجائے تقلید شخصی کا التزام کیا۔

تقلید شخصی جب پہلے واجب نہیں تھی اب کس مصلحت سے واجب اور ضروری ہو گئی؟

اس مصلحت کو سمجھنے کے لئے پہلے تو یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اتباع ہوئی (خواہشات نفس کی پیروی) قرآن کریم کی بیشمار تصریحات کے مطابق انتہائی سنگین بیماری ہے، پھر اتباع ہوئی ایک تو یہ ہے کہ انسان حرام کو حرام سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور اس سے بھی بدتر صورت یہ ہے کہ انسان اتباع ہوئی کے تحت حرام کی حرمت ہی سے انکار کر دے، یہ شکل اس لئے بہت بری ہے کہ اس میں انسان کو اپنے فعل پر ندامت بھی نہیں ہوتی۔

فقہاء کرام نے یہ محسوس کیا کہ قرون اولیٰ میں دیانت عام تھی، اس لئے تقلید مطلق میں اتباع ہوئی کا کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن بعد میں دیانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا، لہذا اگر تقلید مطلق کا دروازہ بالکل کھلا رکھا گیا تو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق جس امام کے قول میں آسانی دیکھیں گے اسے اختیار کر لیں گے، اور یہ وہ سنگین گمراہی ہے جس کے خلاف اسلام ہونے میں کسی کوشش نہیں ہو سکتا، خود علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس طرز عمل کو انتہائی مذموم قرار دیا ہے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی میں کبھی کسی امام کا قول اختیار کر لیا جائے اور کبھی کسی امام کا۔☆

۱۔ فہذا الاتباع والتقليد الذی ذمہ اللہ هو اتباع الہوی۔

فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۵ ج ۲۰

☆ (غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانیؒ نے اپنی کتاب ”ارشاد الفحول“ میں بھی اس حقیقت کو

تسلیم کیا ہے اور انہی عبارتوں کو نقل فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:==

تقلید شخصی سے آزادی کا نتیجہ اور اس کا نقصان

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جس مجتہد کا چاہو قول اختیار کر لو تو دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے، کیونکہ اکثر مجتہدین کے یہاں کچھ نہ کچھ منفرد اقوال ایسے ملتے ہیں جو خواہشات نفس کے مطابق ہوتے ہیں، مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن جعفرؒ کی طرف موسیقی کا جواز منسوب ہے، حضرت قاسم بن محمدؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ بے سایہ تصویروں کو جائز کہتے تھے، مالکیہ میں سے امام سخون کی طرف اپنی زہجہ کے ساتھ وطی فی الدبر کا جواز منسوب ہے، امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک روزہ کی ابتداء طلوع شمس سے ہوتی ہے، ابن حزمؒ ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہوا سے برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، نیز انہی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد سے پردہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس بالغ مرد کو اپنی شہی سے دودھ پلا دے، اس طرح حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور پردہ اٹھ جائے گا، اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عید کا دن جمعہ کے روز آجائے تو اس دن ظہر اور جمعہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔

غرض اس طرح اگر کوئی شخص ایسے اقوال کو تلاش کر کے ان پر عمل شروع کر دے تو ایک ایسا دین تیار ہو جائے گا کہ جس کا بانی سوائے شیطان اور نفس کے کوئی نہیں،

==امالواختار المقلد من کل مذهب ماہوا لاہون علیہ والاخف فقال ابواسحق المروزی یفسق، قال الامام احمد بن حنبل لوان رجلا عمل بقول اهل الکوفة فی النبذ واهل المدینة فی السماء وأهل مکة فی المتعة کان فاسقا۔
وفی السنن للبیہقی عن الاوزاعی من أخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام۔
(ارشاد الفحول للشوکانی المقصد السادس المسئلة الخامسة ص ۲۷۲)

اسی لئے بعض اسلاف کا قول ہے کہ: ”من أخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام“ (جس نے علماء کی ایسی نادر باتوں کو اختیار کیا وہ دائرہ اسلام سے نکل گیا) اور حافظ ابن حجرؒ نے ”تلخیص الحمیر“ میں حضرت معمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ: ”لو أن رجلاً اخذ بقول أهل المدينة في استماع الغناء واتبان النساء في أدبارهن وبقول أهل مكة في المتعة والصرف وبقول أهل الكوفة في المسكر كان شرّ الرجال“۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید مطلق کی کھلی اجازت دینے میں اس قسم کے اتباع ہوئی (خواہش نفس کی پیروی) کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لئے علماء نے چوتھی صدی ہجری میں تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ”حجة الله البالغة“ میں علماء کے اس فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”وكان هذا هو الواجب في ذلك الزمان۔“ (یعنی اس زمانہ میں تقلید شخصی کرنا ہی واجب ہو گیا تھا)

ایک اشکال کا جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جو چیز عہد صحابہ میں واجب نہ تھی وہ بعد میں کیسے واجب ہو گئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ”الانصاف فی بیان سبب الاختلاف“ میں لکھا ہے کہ:

واجب کی دو قسمیں ہیں، ایک واجب لعینہ دوسرے واجب لغیرہ، واجب لعینہ تو وہی چیزیں ہیں جن کو عہد رسالت میں واجب کر دیا گیا، اور اس کے بعد ان میں اضافہ نہیں ہو سکتا، لیکن واجب لغیرہ میں اضافہ ہو سکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ مقصود تو ایک واجب کی ادائیگی ہوتی ہے لیکن اگر اس واجب کی ادائیگی کا کسی زمانہ میں صرف

ایک طریقہ رہ جائے تو وہ طریقہ بھی واجب ہو جاتا ہے، مثلاً عہد رسالت میں احادیث کی حفاظت واجب تھی، لیکن کتابت واجب نہ تھی، کیونکہ حفاظت حدیث کا فریضہ حافظہ سے بھی ادا ہو جاتا، لیکن بعد میں جب حافظوں پر اعتماد نہ رہا تو حفاظت حدیث کا کوئی طریقہ بجز کتابت کے نہیں تھا، اس لئے کتابت واجب ہو گئی۔

اسی طرح عہد صحابہ و تابعین میں غیر مجتہد کے لئے مطلق تقلید واجب تھی، لیکن جب تقلید مطلق کا راستہ پر خطر ہو گیا تو اب صرف تقلید شخصی ہی کو واجب قرار دے دیا گیا، اس کی ایک واضح نظیر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قرآن کریم کو کسی بھی رسم الخط میں لکھنا جائز تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شدید فتنہ کے سبب باب کے لئے پوری امت کو ایک رسم الخط پر جمع کر دیا، اور دوسرے رسم الخط پر لکھنا ناجائز قرار دے دیا جس پر امت کا اجماع منعقد ہو گیا، اس کے بارے میں کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ ایک غیر واجب کو واجب کیسے قرار دے دیا گیا، بالکل یہی معاملہ تقلید شخصی کا بھی ہے کہ ایک عظیم فتنہ کے سبب باب کے لئے اس کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

نہایت افسوس ناک بات

دین کو نقصان پہنچانے میں اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے سفرنامہ ”نودن روس میں“ (شوال ۱۴۲۷ھ/نومبر ۲۰۰۶ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

..... مجھے ایک افسوس ناک اطلاع ملی تھی کہ روس کے مختلف حصوں سے کچھ نوجوان جو سعودی عرب میں مکمل یا نامکمل تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں، انتہاء پسند اور

جو شیعہ ”سلفی“ بن کر لوٹے ہیں، چونکہ داعستان میں اکثریت شافعی علماء کی ہے اور ان میں زمانہ دراز سے تصوف کے سلسلے چلے آتے ہیں، شافعی مسلک میں بدعات کے سلسلے میں بھی کچھ توسع پایا جاتا ہے، اس لئے ان نوجوانوں نے یہاں آکر بڑا تشدد آمیز رویہ اختیار کیا ہے، امام شافعیؒ کی تقلید اور تصوف کی شدت سے مخالفت شروع کر دی ہے اور بعض نے تو یہاں کے قدیم علماء کو مشرک تک کہنا شروع کر دیا ہے اور اس کی بناء پر یہاں کے مسلمانوں میں خاصا انتشار پیدا ہو رہا ہے۔

یہاں شافعی مسلک کی اکثریت ہے، اور نقشبندی سلسلہ تصوف سے بھی علماء اور عوام صدیوں سے مانوس چلے آتے ہیں، کچھ جو شیعہ سلفی نوجوانوں نے یہاں تقلید، تصوف اور بہت سی رائج رسوم کے خلاف نہایت تشددانہ رویہ اختیار کیا، اور یہاں کے علماء پر گمراہی بلکہ شرک تک کے فتوے لگائے۔

اس پس منظر میں میرے خطاب کا مرکزی موضوع یہ تھا کہ:

”کیونرم کے جبر و استبداد سے آزاد ہونے کے بعد روس کے مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟“

اس ضمن میں میں نے عرض کیا کہ آج اگر روس کے مسلمانوں میں اسلام اور اسلامی شعائر کا کوئی نشان باقی ہے تو وہ ان علماء کی بدولت ہی ہے، جنہوں نے کمیونسٹ اقتدار کی تاریک رات میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر علم دین کی شمع روشن رکھی اور اپنے معاشی مفادات اور راحت و آرام کو قربان کر کے آنے والی نسلوں کے دین و ایمان کا تحفظ کیا، لہذا نوجوان مسلمانوں کو اپنے ان اکابر کی قدر پہچانی چاہئے اور یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ دین میں فروعی اختلافات ہر دور میں رہے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف کفر و شرک کے فتوے صادر کرنے کا فائدہ دشمنان اسلام کے سوا کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔

آج روس کی صورتحال یہ ہے کہ تقریباً پچھتر سال تک اسلام اور اسلامی شعائر کو کچلنے کی جو کوششیں جاری رہیں، ان کے نتیجے میں عام مسلمان دین کی بنیادی تعلیمات سے ہی بے بہرہ ہو چکے ہیں، ان کو اس وقت دین کے مبادی کا علم پہنچانے کی ضرورت ہے، اس فضاء میں اگر استواء علی العرش اور تقلید و عدم تقلید کے مسائل کھڑے کر کے یہاں اختلاف کا بیج بویا جائے گا تو دین کو نقصان پہنچانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور فتنہ نہیں ہو سکتا، لہذا عام مسلمانوں کیلئے سلامتی کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اپنے اکابر علماء سے وابستہ رہیں اور اگر کوئی شک و شبہ ہو بھی تو اسے باہمی جنگ و جدل کے بجائے افہام و تفہیم کی فضاء میں حل کریں۔

الحمد للہ! یہ گزارشات توجہ سے سنی گئیں، بعد میں لوگوں نے بتایا کہ اس خطاب کا نو جوانوں پر بھی اثر ہوا اور علماء کرام نے بھی اطمینان کا اظہار کیا کہ الحمد للہ یہ بات بڑی بر محل اور مفید ثابت ہوئی۔

فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے باطل طاقتوں، مشرکانہ رسموں سے مقابلہ میں اپنی صلاحیت اور توانائی صرف کیجئے

مفسر قرآن فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس وقت جب کہ ایک طرف تو کھلے ہوئے کفر، عیسائیت اور کمیونزم نے پورے اسلامی ممالک اور اسلامی حلقوں پر گھیرا ڈالا ہوا ہے، اور یہ دونوں کفر طوفانی رفتار کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں صرف پاکستان میں ہزاروں کی تعداد ہر سال مرتد ہو جاتی ہے دوسری طرف کفر، نفاق اور الحاد خود اسلام کا نام لینے والوں میں کہیں قادیانیت اور مرزائیت کے لباس میں، کہیں پرویزیت اور انکار حدیث کے عنوان سے کہیں مغرب

سے لائی ہوئی اباحت اور تمام محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کے طریقوں سے ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور یہ الحاد، کفر و نفاق پہلے کفر سے اس لئے زیادہ خطرناک ہے کہ اسلام اور قرآن کے عنوان کے ساتھ آتا ہے جن کے دام میں سیدھے سادھے جاہل عوام کا توڑ کر ہی کیا ہے ہمارے نو تعلیم یافتہ نوجوان بہ کثرت اس لئے آجاتے ہیں کہ نئی تعلیم اور نئی معاشرت نے ان کو دینی تعلیم اور اسلامی اصول سے اتنا دور پھینک دیا ہے کہ وہ ماڈی علوم و فنون کے ماہر کہلانے کے باوجود مذہب اور دین کی ابتدائی معلومات سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں اور کھلے اور چھپے کفر کی ان ساری اقسام سے بھی اگر کچھ خوش نصیب مسلمان بچ جائیں تو فحاشی، عریانی، ننگے ناچ، رقص و سرور کی محفلوں اور گھر گھر ریڈیو (ٹی وی) کے ذریعہ فلمی گانوں اور سنیماؤں کی زہریلی فضاؤں سے کون ہے جو بچ نکلے۔

اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان آج سارے جرائم اور بد اخلاقیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سودقمار سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کے چلانے والے کوئی یہودی نہیں ہندو بنے نہیں اسلام کے نام لیوا ہیں، ہمارے سرکاری محکمے رشوت ظلم و جور، کام چوری، بے رحمی اور سخت دلی کی تربیت گاہیں بنے ہوئے ہیں اور ان کے کارفرما بھی نہ انگریز ہیں نہ ہندو، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے روز آخر پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے ہیں ہمارے عوام علم دین سے کورے، جہالتوں میں ڈوبے ہوئے دین کے فرائض و واجبات سے بیگانہ، مشرکانہ رسموں اور کھیل تماشوں کے دلدادہ ہیں۔

ان حالات میں کیا ہم پر یہ واجب نہیں کہ ہم غور و فکر سے کام لیں اور سوچیں کہ اس وقت ہمارے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ اور توقع اہل علم سے کیا ہوگی؟ اور اگر محشر میں آپ نے ہم سے سوال کر لیا کہ میرے دین اور شریعت پر اس طرح کے حملے ہو رہے تھے، میری امت اس بد حالی میں مبتلا تھی تم وراثت نبوت کے دعویدار کہاں

تھے؟ تم نے اس وراثت کا کیا حق ادا کیا؟ تو کیا ہمارا یہ جواب کافی ہو جائے گا کہ ہم نے رفع یدین کے مسئلہ پر ایک کتاب لکھی تھی یا کچھ طلباء کو شرح جامی کی بحث حاصل و محصول خوب سمجھائی تھی، یا حدیث میں آنے والے اجتہادی مسائل پر بڑی دلچسپ تقریریں کی تھیں یا صحافیانہ زور قلم اور فقرہ بازی کے ذریعہ دوسرے علماء و فضلاء کو خوب ذلیل کیا تھا۔

فروعی اور اجتہادی مسائل میں بحث و تمحیص گونڈ موم چیز نہیں، اگر وہ اپنی حد کے اندر اخلاص سے اللہ کے لئے ہوتی، لیکن جہاں ہم یہ دیکھ رہے ہوں کہ اسلام و ایمان کی بنیادیں متزلزل کر دینے والے فتنوں کی خبر ہم سنتے ہیں، اللہ و رسول کے احکام کی خلاف ورزی بلکہ استہزاء و تمسخر اپنے آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر ہمارے کان پر جوں نہیں ریگتی تو اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ فروعی بحثیں ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے کر رہے ہیں، اگر ان میں کچھ للہیت اور اخلاص ہوتا تو ہم ان حالات کے تحت اسلام اور دین کے تقاضوں کو پہچانتے اور فروع سے زیادہ اصول اسلام کی حفاظت میں لگے ہوتے، ہم نے تو گویا علمی اور دینی خدمات کو انہیں فروعی مباحث میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور سعی و عمل کی پوری توانائی اسی پر لگا رکھی ہے، اسلام کے اصولی اور بنیادی مسائل اور ایمان کی سرحدوں کو دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی چھوڑ دیا ہے، لڑنا کس محاذ پر چاہئے تھا اور ہم نے طاقت کس محاذ پر لگا دی، اِنَّا لِلّٰہ و اِنَّا اِلَیْہِ راجعون، یہ تو تحزب و تعصب کے غلو کا نتیجہ ہے۔

ذرا اس پہلو سے سوچیے اور غور کیجئے!

فروق اور جماعتوں کے ذمہ دار اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں، جن کے لئے قرآن نازل ہوا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کر دی

اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں؟ یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے؟ جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنز یا اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں، ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا، اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق و تنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالیٰ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں، تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اس کی کوشش کا رخ بدلے گا، اس کے نتیجے میں باہمی آمیزش یقیناً کم ہوگی، میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات و مزعومات کو بدلے۔

گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگا دیں اور باہمی اختلاف کو صرف حلقہٴ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کر دیں اور ان میں بھی لب و لہجہ قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں، ہمارے پبلک جلسے، اخبارات، اشتہار بجائے باہمی آمیزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ، جو فساد کی صورت اختیار کر چکی ہے، دوبارہ جہاد میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ و جدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہو جائے گا۔

ہماری توانائیوں اور صلاحیتوں کا نہایت غلط استعمال

ہماری ساری توانائی اور علم و تحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل میں صرف ہوتا ہے وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کر لیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر والحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی آپس کی جنگ و جدل میں خرچ ہونے لگتی ہے، اسلام و ایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لئے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا نظر آتا ہے، ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پُر ہے، اعمال و اخلاق برباد ہیں معاملات و معاہدات میں فریب ہے، سودقمار بازی شراب خنزیر، بے حیائی، بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک و ملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟ اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیانِ مریض کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثت انبیاء اور نزولِ قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور جس نے غیروں کو اپنا بنالیا جس نے اولادِ آدم کو

بہمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، کیا وہ صرف یہی مسائل تھے جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنْ الْحَقِّ
کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔

آخر وہ کونسا وقت آئے گا جب ہم اپنے نظریاتی اور نظامی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں گے ملک میں عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں گے، قادیانیت کا، انکار حدیث اور تحریف دین کے لئے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں گے۔

اور اگر ہم نے یہ نہ کیا اور محشر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ سوال فرمایا کہ میری شریعت اور میرے دین پر یہ حملہ ہو رہا ہے تھے، اسلام کے نام پر کفر پھیلا یا جا رہا تھا، میری امت کو میرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی، قرآن و سنت کی کھلے طور پر تحریف کی جا رہی تھی، خدا اور رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جا رہی تھی تم مدعیان علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پر کتنی محنت اور قربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستے پر لگایا؟ تو آج ہمیں سوچ لینا چاہئے کہ ہمارا کیا جواب ہوگا۔

علماء کرام سے دردمندانہ گزارش

اس لئے ملت کا درد اور اسلام و ایمان کے اصول و مقاصد پر نظر رکھنے والے حضرات علماء سے میری دردمندانہ گزارش یہ ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی و عملی صلاحیت اور زبان و قلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن و حدیث آپ کو بلا رہے ہیں۔

(۱) علماء کرام! اس بات کا عہد بھی کیجئے اور فیصلہ بھی کہ اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف و تالیف اور فتویٰ تک محدود رکھیں گے، عوامی جلسوں اخباروں اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے، ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول دعوت و اصلاح کے تابع دلخراش عنوان اور طعن و تشنیع استہزاء و تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

(۳) تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب و لہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

(۴) چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن و سنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول دعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ و ناصحانہ بیانون اور دلنشین دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالنتی ہی احسن کے ساتھ اپنے زور زبان اور زور قلم کو وقف کر دیں گے۔

تمت

مآخذ و مراجع

- (۱) اجتماعی اجتہاد (حضرت مولاناؒ کے تین صدارتی خطبات کا مجموعہ)
- (۲) اجتہاد اور فقہی بحث و تحقیق (خطبہ بمناسبت دوسرے فقہی سیمینار دہلی)
- (۳) اجتہاد کی حاجت و ضرورت (خطبہ بمناسبت پہلے فقہی سیمینار)
- (۴) اجتہاد اور فقہی مذہب کا ارتقاء (ملحقہ خطبات علی میاں ج ۶)
- (۵) اختلاف امت پر ایک نظر (ملحقہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
- (۶) ارشاد الخول (علامہ شوکانیؒ)
- (۷) اسلام اور موسیقی (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) (۸) افکار سلیمانی
- (۹) اورنگ زیب اور تدوین فتاویٰ عالمگیری (مولانا صدر الحسن صاحب ندوی)
- (۱۰) البعث الاسلامی ج ۲۹ ش ۱ (مقالہ حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب مدظلہ)
- (۱۱) پیام ندوہ (حضرت مولانا محمد الحسنیؒ)
- (۱۲) پیام عرفات جلد ۶ شمارہ ۱۰ (ماہ نامہ رسالہ رائے بریلی)
- (۱۳) تاریخ دعوت و عزیمت: مجلس تحقیقات و شریات اسلام لکھنؤ
- (۱۴) تاریخ ندوۃ العلماء
- (۱۵) تدوین فقہ اور چند اہم فقہی مباحث (المعہد العالی ندوۃ العلماء لکھنؤ)
- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے فقہی مضامین کا مجموعہ
- (۱۶) تذکرہ سلیمان (۱۷) تعمیر حیات
- (۱۸) تقلید و اجتہاد (حضرت مولانا سید سلمان الحسنی ندوی)
- (۱۹) حکیم الامت کے آثار علمیہ (مقالہ علامہ سید سلیمان ندویؒ، آثار حکیم الامت)
- (۲۰) خطبات علی میاں (مطبوعہ دہلی) (۲۱) خطبات مفکر اسلام (مطبوعہ لکھنؤ)



- (۲۲) درس ترمذی (مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)
- (۲۳) روداد چمن
- (۲۴) سفر در سفر (سفر نامہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)
- (۲۵) سیرۃ النعمان (علامہ شبلی) (۲۶) شذرات سلیمانی
- (۲۷) فتاویٰ ابن تیمیہ
- (۲۸) فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مولفین (مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی)
- (۲۹) فتاویٰ عالمگیری المسویٰ کا بنیادی ماخذ
- (۳۰) مقالہ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب فلاحتی، رسالہ سہ ماہی تحقیقات علی گڑھ جلد ۳۳ شماره ۳
- (۳۱) فتاویٰ خلیلیہ (مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
- (۳۲) فتاویٰ علماء ہند (مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی)
- (۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء (مقدمہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی)
- (۳۴) فقہ اسلامی اور عصر جدید (مقالات حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی)
- (۳۵) فیوض الحرمین (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی)
- (۳۶) القراءۃ الراشدہ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
- (۳۷) قرآنی افادات (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
- (۳۸) کاروان زندگی (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
- (۳۹) آثار حکیم الامت (۳۹) مقدمہ مجموعہ قوانین اسلامی، مولانا علی میاں)
- (۴۰) محدثین کے یہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت (مولانا سید سلمان الحسینی ندوی)
- (۴۱) مطالعہ حدیث کے اصول و مبادی (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
- (۴۲) معارف سلیمان نمبر (۴۳) ندوۃ کافتہی مزاج (مولانا منور سلطان)
- (۴۴) وحدت امت (ملحقہ جواہر الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)



کارکنانِ تبلیغ کے لیے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی مفید باتیں اور اہم ہدایات (حصہ اول)

﴿افادات﴾

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا ندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگاہ ہردوئی روڈ، لکھنؤ